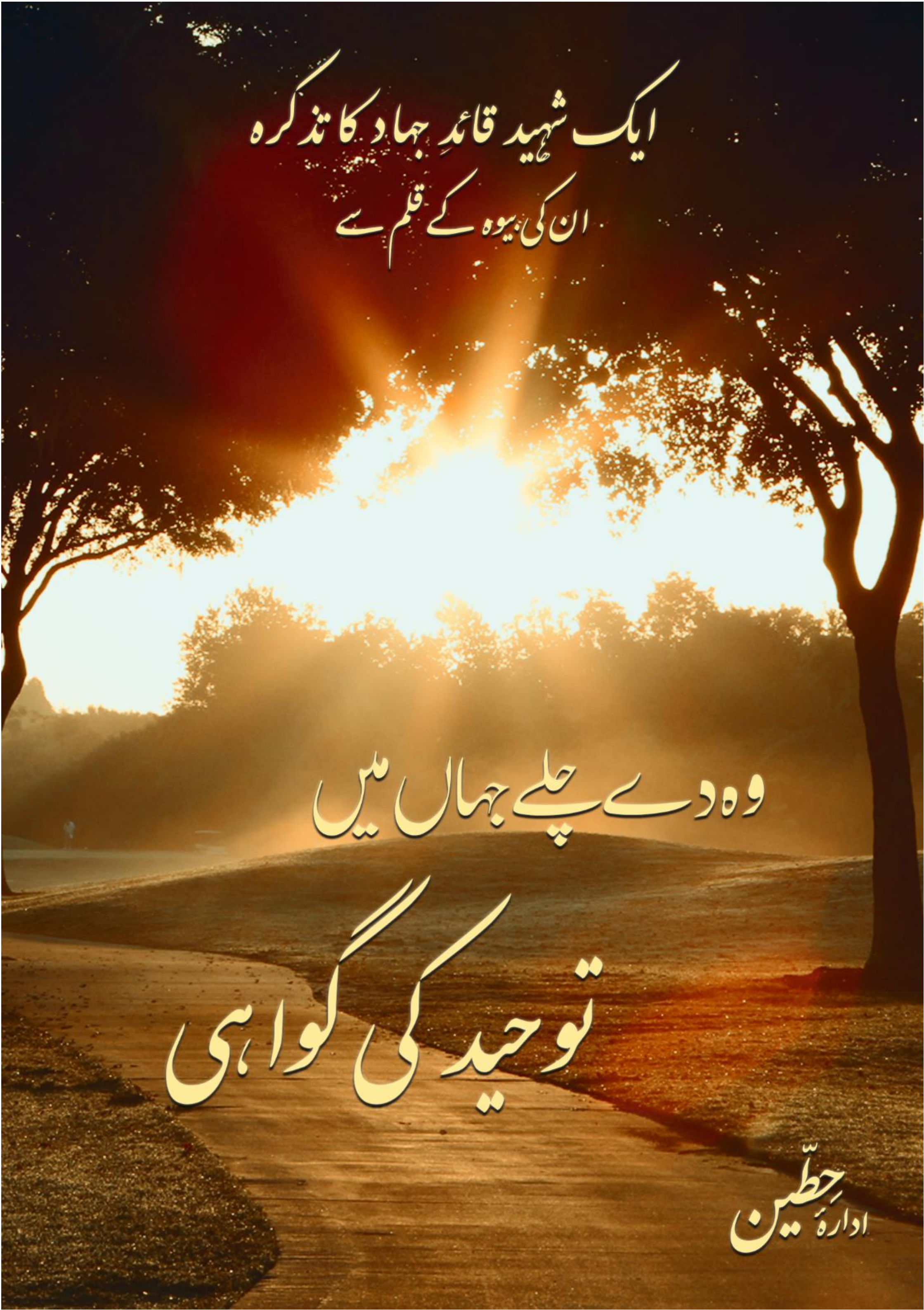

ایک شہید قائدِ جہاد کا تذکرہ

ان کی بیوہ کے قلم سے

وہ دے چلے جہاں میں توحید کی گواہی

ادارۂ حطّین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک شہید قائدِ جہاد کا تذکرہ

ان کی بیوہ کے قلم سے

وہ دے چلے جہاں میں

توحید کی گواہی

ادارۂ حطّین

پیش لفظ

کسی شاعر نے کہا تھا

شہید کی جو موت ہے قوم کی حیات ہے

یہ بات کتنی درست ہے کہ شہید کی موت سے معاشرے میں ایک بیداری کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ لوگ متوجہ ہوتے ہیں، غور و فکر کرتے ہیں کہ " ایک شخص نے کیا اپنی جان یوں ہی دے دی؟" اس کے افکار کیا تھے؟ اس کی سعی و جہد کا مقصد کیا تھا؟ اس کا تکلیفوں بھرا یہ سفر آخر کس منزل کی تڑپ میں تھا؟ اس کا ذاتی کردار، اخلاق و اوصاف کیا تھے؟

جیسے جیسے قوم میں یہ سوالات جنم لیتے جاتے ہیں... ویسے ویسے مجاہدین کا تعارف اور ان کی دعوت عام ہوتی چلی جاتی ہے۔ نتیجے میں کچھ لوگ اس دعوت سے متأثر ہو کر اور کچھ اپنے مسلمان بھائیوں اور بہنوں کی مدد کی خاطر اس میدان میں کود پڑتے ہیں۔ پھر وہ شہید ہو کر مزید لوگوں کو اٹھانے کے لیے بیج بن جاتے ہیں اور اگلی فصل تیار کر دیتے ہیں۔

یوں طبقہ بہ طبقہ، نسل در نسل شہادتوں کے تسلسل سے معاشروں میں اسلامی بیداری اور زندگی کی برقی رو سرایت کر جاتی ہے۔ اور ایک وقت ایسا آتا ہے پوری قوم متحد ہو کر، زندہ ہو کر اپنی حیات و بقا کی داعی اور محافظ بن جاتی ہے۔ اس طرح شہید کی موت پوری قوم کی حیات کا باعث بن جاتی ہے۔

چنانچہ ہر زمانے کے اہل علم و دانش اور اہل قلم کے لیے یہ بات لازم ہے کہ اپنے شہدا کی سیرت و افکار سے، ان کے تذکروں اور ایمان افروز قصوں سے قوم کو جھنجھوڑتے رہیں۔ تاکہ قوم من حیث القوم، شہدا کے وجود سے، ان کی قربانیوں سے بانجھ نہ ہو جائے۔

تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ کسی انسان کی ذاتی زندگی، خلوت و جلوت کے اوصاف و کردار سے سب سے زیادہ واقف، اس کی بیوی ہوتی ہے۔ بیوی سے بڑھ کر کوئی سچا گواہ نہیں ہو سکتا انسان کے کردار کا۔

پیش لفظ

نیز یہ بھی پیش نظر رہے کہ بیوی کا اپنے شوہر کے کردار کی گواہی دینا، اور اس کے اوصاف و کردار کو نمایاں کرنا... کوئی نئی بات نہیں۔ آج سے سوا چودہ صدیاں پیچھے چلے جایئے اور دیکھیے کہ ایک سعادت مند بیوی اپنے عظیم شوہر کے بارے میں کیا ارشاد فرمارہی ہے:

إنك لتصل الرحم، وتحمل الكل، وتكسب المعدوم، وتقري الضيف، وتعين على نوائب الحق۔ [صحيح البخاري]

"آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں، ناتوانوں کا بوجھ اپنے اوپر لیتے ہیں، محتاجوں کے لیے کماتے ہیں، مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور راہِ حق میں مصیبتیں اٹھاتے ہیں"۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کے کردار کی گواہی کی جو ریت ڈالی ہے وہ قیامت تک بناتِ خدیجہ کے لیے مشعل راہ ہے۔ ہر دور کی مائیں، بہنیں اپنے نیک و صالح شوہروں کی سیرت و کردار کی گواہی دیتی رہی ہیں۔

زیر نظر مضمون بھی ہماری ایک قابل صد احترام بہن کا تحریر کردہ ہے۔ یہ نہ تو اپنی خود نوشت ہے، اور نہ ہی کوئی شہید کی سوانح ہے۔ بلکہ یہ تو اپنے شوہر کی محبت آمیز اور ایمان افروز رفاقت کا تذکرہ ہے۔ یہ تو انہوں نے ہجرت و جہاد کے گلشن سے کچھ پھول چن کر ہمیں پیش کیے ہیں تاکہ ان کی خوشبو سے ہم بھی اپنے ایمان و عمل کو معطر کریں۔

کیا ہی پاکیزہ جذبات ہیں کہ جیسے جیسے پڑھتے جاتے ہیں... آپ شہید کی زندگی اور اس کے مقاصد میں ڈھلتے جاتے ہیں، اور ہجرت و جہاد کے لیے پر عزم ہوتے جاتے ہیں۔

ہم اپنی بہن کے انتہائی مشکور ہیں کہ انہوں نے یہ خوبصورت امانت ہم تک پہنچائی۔ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت کی خوشیاں ان کے لیے مقدر فرمادیں، آمین۔

(ادارہ حطّین)

۱۴۲۷ھ (2006ء) کا ماہِ رمضان المبارک میرے لیے نئی اور انوکھی خوشیوں کا پیغام لے کر آیا۔ رب تعالیٰ نے میری طویل دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا اور مجھے میری من چاہی، منہ مانگی مراد سے نوازا۔ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں بات طے ہوئی اور پندرہ بیس دن کے اندر اندر اللہ تعالیٰ نے رخصتی کے اسباب بھی پیدا فرما دیے۔ یہ خاندان بھر کی انوکھی ترین شادی تھی جس میں کوئی "شادی پن" نہیں تھا۔ محدود اور قریب ترین مہمان شادی میں شرکت کو موجود تھے۔ نکاح مسجد میں ہوا اور وہیں سے رخصتی ہوئی۔ اگلی شام ولیمہ ہوا اور اس سے اگلی شام، یعنی نکاح کے بمشکل اڑتالیس گھنٹے بعد، ہم نے رختِ سفر باندھا۔ کون سا سفر؟ اور کیسا سفر؟ یہ جاننے کے لیے چند سال مزید پیچھے جانا پڑے گا۔

یہ گرمیوں کی چھٹیوں کے دن تھے۔ میں گریجویشن کر کے فارغ ہی ہوئی تھی کہ ہمارے علاقے میں طالبات کے لیے تفسیرِ قرآن پر مبنی تربیتی کورس کا اعلان ہوا۔ اس تربیتی کورس میں شرکت کی دعوت ہمیں بھی ملی۔ بے شک ہمارا تعلق ایک شریف دیندار گھرانے سے ہے، مگر دین سے بے بہرہ نظامِ تعلیم نے ہم پر بھی اپنا پورا پورا اثر ڈالا تھا، جس کے نتیجے میں نماز روزے کی پابندی تو تھی مگر زندگی کو دین کے مطابق ڈھالنے کی تڑپ مفقود تھی۔ اس بات کا ادراک ہی نہ تھا کہ دین تو پوری زندگی، پوری معاشرت پر غالب ہونے کے لیے آیا ہے اور یہ ہمہ پہلو ہمہ گیر رہنمائی کا منبع ہے۔ نتیجتاً دین کا علم حاصل کرنے کی فکر، تڑپ اور اس کی طرف توجہ بھی نہ تھی۔

والدہ صاحبہ کو اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائیں کہ ہمارے اندر اگر کوئی نیکی اور خیر ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور کرم کے بعد ہماری امی کی تربیت، دین سے ان کی محبت اور اپنی اولاد کو دین پر عامل دیکھنے کے ان کے شوق کی وجہ سے ہے کہ وہ ہمیشہ سے اپنی اولاد کو اچھا مسلمان دیکھنا چاہتی تھیں۔ ہماری نمازوں، روزوں، پردے کی (رسمی ہی سہی) پابندی میں بھی ان ہی کا ہاتھ تھا۔ چنانچہ اب بھی انہی کی ناراضی کے خوف سے تربیتی کورس میں شرکت کا فیصلہ کیا۔ میری توقع کے بر خلاف وہاں کا ماحول اور اندازِ تربیت مجھے بہت بھایا اور رفتہ رفتہ نہ صرف یہ کہ میں شوق سے وہاں

جانے لگی بلکہ جب ایک مرتبہ اِس نئی دنیا سے، یعنی قرآن کی دنیا سے متعارف ہو گئی تو پھر اللہ کی توفیق سے اسی رستے پر زندگی رواں ہو گئی۔

ہمارے معاشرے میں لوگوں کا عمومی رویہ یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جب انہیں دین کی دعوت اور کسی درس کا بلاوا دیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ "بھئی! جتنا دین ہم جانتے ہیں پہلے اس پہ تو عمل کر لیں"۔ اور یہ کہ "نہ جانیں گے نہ عمل کرنا پڑے گا"۔ اور یہ بھی کہ "اگر ایک مرتبہ درس میں چلے گئے اور اللہ کی بات سن لی اور پھر عمل نہ کیا تو گناہ ہو گا"۔ یہ توجیہات سراسر نفس کو راضی کرنے والی ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ نے تو ہر مسلمان پر دین کا بنیادی فہم اور قرآن کا علم حاصل کرنا فرض کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں پہنچ کر لاعلمی کوئی قابل قبول عذر نہیں ہو گا بلکہ الٹا یہ بات پکڑ کا باعث ہو گی کہ تم تک دین کی دعوت پہنچی اور تم نے لاعلم رہنے کو علم حاصل کرنے پر ترجیح دی۔

کورس منعقد کرنے والی اور اس میں معلمہ کے فرائض انجام دینے والی خالاؤں کی توجہ، خیر خواہی، اخلاق اور محبت نے کچھ ایسا باندھا کہ کورس ختم ہونے کے بعد بھی میرا دروس میں شرکت کا سلسلہ نہ ٹوٹا۔ البتہ دنیا کی "تعلیم" بھی ساتھ ساتھ جاری رہی کہ تب تک میں اسی تعلیم کو وہ 'علم' سمجھتی تھی جس کی فضیلت قرآن وحدیث میں جابجا وارد ہوئی ہے۔ فتنہء دجال اور اس کے مظاہر کی کماحقہ پہچان اس وقت تک نہ ہو پائی تھی۔ لہٰذا ارادے بھی 'اعلیٰ ڈگریوں' کے حصول اور ان کے بھرپور استعمال کے تھے۔

اگلے سال اس سے بڑے پیمانے پر پھر سمر کورس کا انعقاد کیا گیا۔ اب کے ہماری معلّمہ ایک بہت حکیم، پڑھی لکھی، شائستہ اور نوجوان نسل کے مزاجوں اور مسائل کو سمجھنے والی خالہ تھیں۔ ان خالہ کو میں استانی جی کہوں گی۔ پورے شہر سے طالبات کی بڑی تعداد نے اس کورس میں شرکت اور استفادہ کیا۔ اللہ کی رحمت سے قرآن سینے میں اترنا شروع ہوا، رسمی پردے کی جگہ حقیقی پردے نے لے لی اور مقصدِ زندگی سمجھ میں آنا شروع ہوا۔ قرآن کے نور نے دنیا کی بے ثباتی و بے وقعتی واضح کر کے عقبیٰ کی چاہت وتڑپ دل میں روشن کر دی۔ اللہ تعالیٰ ہماری استانی جی کو دنیا و آخرت کی حسنات اور اپنی دائمی رضا سے نوازے، جنہوں نے اپنا قیمتی وقت اور محنت ہم جیسے الجھے ذہنوں کی گرہیں کھولنے میں لگایا اور ان کے وقت، توجہ، علم اور قرآن پڑھانے اور سمجھانے کے پر حکمت طریقے نے بہت سے دلوں کو اللہ سے جوڑ دیا۔ اللہ کی رحمت کے بعد یہ انہی کی محنتوں کا ثمر ہے کہ دجالیت سے پراگندہ دل قرآن کی روشنی میں نکھر رہے ہیں۔

قرآن فہمی کے ابتدائی دور میں ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے یہ بات سمجھادی کہ امتِ مسلمہ کو اللہ تعالیٰ نے کسی خاص مقصد کے لیے وجود بخشا ہے، اور وہ مقصد ہے اقامتِ دین۔ اور اقامتِ دین کا فریضہ آرام دہ کرسیوں پر بیٹھ کر ادا نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام اور کفر و نفاق کی باہم چپقلش اور اس کا انجام، اللہ تعالیٰ کے وعدے اور وعیدیں، فوز و فلاح اور اس کے حق دار اور آگ اور اس میں جلنے والے، قرآن کے مستقل موضوعات ہیں۔ اللہ دونوں نقشے ساتھ ساتھ دکھاتا چلا جاتا ہے۔ اہلِ حق اور ان کا طریقہ، ان پر آنے والی آزمائشیں اور ثبات سے اس رستے پر قائم رہنے والوں کا بہترین انجام اور دوسری طرف، باطل اور اہلِ باطل کی ظاہری نمود و ترقی اور ان کا بدترین انجام، سب کچھ قرآن کے صفحات پر واضح اور روشن ہے۔

چنانچہ جب یہ سب کچھ پڑھ لیا اور اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کی تو سوائے جہاد فی سبیل اللہ کے ایسی کوئی راہِ نجات دکھائی نہ دی جس پر چل کر ایک مسلمان فتنہء دجال سے اپنے ایمان کی حفاظت اور اپنی آخرت کو محفوظ و مامون کر سکتا ہے۔ پس اللہ رب العزت کے سامنے اپنی بے وقعتی، کم مائیگی، کم علمی، ناپید عمل، سب کچھ رکھا اور پھر اپنے رب ہی سے مانگا کہ "اے میرے رب! تیرے سامنے پیش کرنے کو کچھ بھی تو نہیں، بس یہ ایک جان ہے جو تیری ہی دی ہوئی ہے، تو اپنی رحمت سے اسے جنت کے بدلے خرید لے اور انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے رستے پر چلا"۔

پس اپنے رب سے اسی کی دی ہوئی توفیق سے، جہاد مانگا، اس رستے پر چلنے کے لیے آسانی مانگی اور ساتھ ہی اس رستے پر چلنے کے لیے اسباب یعنی مجاہد بھی مانگا، کہ بحیثیت عورت مجھے جہاد فی سبیل اللہ میں اپنا حصہ ڈالنے کی ایک بہتر صورت یہی نظر آئی کہ اللہ پاک مجھے کسی مجاہد فی سبیل اللہ کا ساتھ عطا فرمادے جس کی معیت میں میں جنتوں کی طرف اور رب کی رضا کی طرف سفر شروع کروں۔

نہ راستے کی سختیوں کا حقیقی علم تھا، نہ ہی اس رستے پر چلنے کے تقاضوں کی معرفت۔ فقط ایک جذبہ تھا جس میں رب تعالیٰ نے اپنی محبت کے رنگ بھرے تھے۔ اللہ کبھی اس جذبے کو ٹھنڈا اور اپنی محبت کے ان رنگوں کو پھیکا نہ پڑنے دے، آمین۔ دو چار دن نہیں، بلکہ تقریباً سال بھر یا اس سے کچھ زیادہ، جب تک میرے رب نے چاہا، میں اپنے رب سے راز و نیاز میں لگی رہی اور یہ مانگتی رہی کہ "ربّی! اپنے رستے پر چلنے کی توفیق دے اور اس رستے پر چلنے کے لیے کسی صالح کا ساتھ عطا فرما؛ ایسا ساتھ جو ایمان، علمِ نافع، عملِ صالح اور تقوی میں مجھ سے بہت آگے ہو، جس کا ایمان میرے ایمان سے

بہت مضبوط اور قوی تر ہو، تاکہ اس کی زوجیت وصحبت میرے کمزور ایمان کی تقویت اور رشد وہدایت میں ترقی کا سبب بنے"۔ اور ساتھ ہی یہ بھی مانگتی رہی کہ "اے اللہ! اگر آپ جانتے ہیں کہ جو میں مانگ رہی ہوں اس میں میرے لیے خیر نہیں ہے تو میں آپ ہی سے دعا کرتی ہوں کہ اس میں میرے لیے خیر لکھ دیجئے اور پھر اسے میرا مقدر کر دیجئے"۔ دل میں یہ فیصلہ پختہ تھا کہ اللہ کی چوکھٹ سے نہ اٹھوں گی جب تک کہ اللہ پاک اپنی رحمت سے مجھے اپنے کسی مجاہد بندے کا ساتھ عطا نہیں فرمادیتے۔

بالآخر میرے رب نے اپنی بندی کی فریاد سن لی اور اپنی اس حقیر وناچیز بندی کے لیے اپنے بندوں میں سے ایک بہت ہی پیارے بندے کا انتخاب کیا۔ رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ میں یہ رشتہ آیا۔ والد صاحب نے شفقتِ پدری سے مجبور ہو کر ابتداءً پس وپیش کی کہ انہوں نے ہمیں بہت لاڈ پیار سے پالا ہے اور نازوں پلی بیٹی کو اپنے ہاتھوں سے محاذِ جنگ پر بھیج دینے پر ان کا دل تیار نہ تھا۔ مگر پھر اللہ پاک نے مدد کی اور ان کا دل اس رشتے کے لیے کھول دیا۔ والدہ صاحبہ البتہ شروع ہی سے ساتھ تھیں، اللہ ان دونوں سے راضی ہو، آمین۔ پس یہ رشتہ رمضان ہی میں طے ہوا، شوال میں نکاح و رخصتی ہوئی اور ولیمے کے اگلے ہی دن وہ سفر شروع ہوا جو تاحال الحمد للہ جاری وساری ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس سفر کا اختتام مقبول شہادت، رب کی رضا اور جنت کے سوا کچھ نہ ہو، آمین۔

اب تو آپ جان ہی گئے ہوں گے کہ کون سا سفر اور کیسا سفر؟ جی ہاں! خود کو رب کے حوالے کر دینے کا سفر، رب کی رضا کے حصول کی طرف سفر، ہجرت کا سفر (یعنی اللہ کے رستے میں اپنا گھر، اپنے والدین، اپنے بہن بھائی، اپنے پیارے، اپنا شہر، اپنا وطن، اپنی خواہشاتِ نفس، اپنی عادات، اپنی پسند وناپسند چھوڑ دینے کا سفر) جہاد فی سبیل اللہ کا سفر، مرابطین کا سفر اور نتیجتاً ان دیکھی جنتوں کی جانب سفر (ان شاء اللہ) میں اللہ تعالیٰ کا کماحقہ شکر ادا کر نہیں سکتی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی اس خطاکار، کمزور ایمان والی بندی پر اتنا بڑا اکرم کیا کہ اسے اپنے ایک پیارے مجاہد بندے کا ساتھ عطا کیا اور پھر ہجرت کی راہوں کے لیے چن لیا، فللّٰہ الحمد۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ آخری سانس تک حق پر استقامت عطا فرمائے اور ہجرت کا یہ سفر اپنی مطلوبہ منزل پر ہی تمام ہو، یعنی مقبول شہادت اور اس سے منتج رب کی دائمی رضا اور جنت۔

رمضان المبارک کے آخری عشرے میں، نکاح سے چند روز قبل، ایک دن عشاء سے کچھ پہلے میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھی کہ ہونے والی ساس محترمہ کا فون آیا۔ وہ کمال شفقت ومحبت سے کہنے لگیں کہ "بیٹا! راستہ کٹھن ہے،

پھر سوچ لو"! میں نے جواب دیا کہ "الحمد للہ! میں یکسو ہوں"۔ وہ بہت خوش ہوئیں اور دعائیں دیں۔ فون بند کرنے کے بعد میں نے پھر سے قرآن پاک اٹھایا اور جہاں سے تلاوت چھوڑ کر اٹھی تھی وہیں سے دوبارہ شروع کی۔ اب جو آیات پر غور کیا تو سبحان اللہ! قرآن پاک کے زندہ کلام ہونے پر یقین پختہ تر ہو گیا۔ سورۃ الحج کی بالکل آخری آیات تھیں جن کا ترجمہ یہ ہے:

" اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے تمہیں اپنے کام کے لیے چن لیا ہے اور دین کے بارے میں اس نے تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر، اسی اللہ نے تمہارا نام (پہلے والی آسمانی کتابوں میں بھی) مسلمان رکھا اور اس (قرآن) میں بھی، تاکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ ہوں اور تم دوسرے لوگوں پر گواہ بنو۔ پس نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور وابستہ ہو جاؤ اللہ سے۔ وہی ہے تمہارا مولیٰ، سو کیا ہی اچھا ہے وہ مولیٰ اور کیا ہی اچھا مددگار ہے"۔

یہ آیات اور ان میں موجود پیغام پھر ساری زندگی ہی میرے ساتھ رہا۔

ہمارے ولیمے کی اگلی ہی صبح انہوں نے اپنے لیپ ٹاپ پر ایک ترانہ چلایا اور مجھے — جو سفر کی تیاریوں میں مصروف تھی — متوجہ کرکے کہا کہ یہ میں نے آپ کے لیے چلایا ہے۔ ترانے کے بول یہ تھے:

مجھے تم سے محبت ہے اگر ایماں کو تم چاہو

اگر بارود کی خوشبو کو اور قرآں کو تم چاہو

میں نے پوچھا کہ "کیا آپ کی محبت مشروط ہے؟" تو نرمی مگر نہایت سنجیدگی سے جواب دیا کہ "ہاں"۔ یعنی نکاح کا مقصد دونوں طرف واضح تھا، الحمد للہ۔

جہاد کا رستہ بہر حال پر خطر ہے اور اس رستے میں ایک اہم زادِ راہ رازوں کی پاسداری ہے۔ روزِ اول ہی سے انہوں نے اس حوالے سے میری تربیت شروع کر دی۔ لہٰذا آغازِ سفر سے صرف چند لمحے پہلے مجھے بتایا کہ ہم کس سمت جا رہے ہیں۔ کس کے ساتھ جا رہے ہیں؟ کہاں رہیں گے؟ آگے کیا ہو گا؟ میں ہر بات سے بے خبر تھی۔ جہاد کے رستے میں اپنے منصوبوں اور ارادوں وغیرہ کا غیر متعلق افراد سے ممکنہ حد اور مناسب وقت تک پوشیدہ رکھے جانا، نیز دوسروں کو اپنی

ذاتیات کے بارے میں کم سے کم معلومات دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ مبارکہ سے بھی ہمیں امنیت، یعنی ہوشیاری اور رازداری کا سبق ملتا ہے۔

ہماری پہلی منزل ایک بہت ہی پیارے پشتون انصار کا گھر تھا۔ ماشاءاللہ پورا گھرانہ ہی بہت محبت کرنے والا، انتہائی خدمت گزار اور پر خلوص تھا۔ میں تو اس وقت پشتو زبان کا ایک حرف بھی نہیں جانتی تھی مگر گھر کی خواتین اور بچوں کا خلوص اور محبت، اپنائیت کا بھرپور احساس عطا کرتا تھا۔ ہمارا نیا نیا بندھا رشتہ وہیں ایک مضبوط تعلق میں ڈھلنا شروع ہوا۔ اس رشتے کی بنیاد نظریاتی تھی، اس لیے نئی نویلی شادی کے چاؤ چونچلوں کا خیال نہ میرے دل میں تھا اور نہ ہی ان کے مزاج میں۔ لہٰذا ایمان ویقین کے اس سفر کے ابتدائی پندرہ دن میں (جب دلہن کے ہاتھوں پیروں کی مہندی بھی پھیکی نہ پڑی تھی) پہاڑ چڑھنے، اور نہ صرف چڑھنے بلکہ مشکل ترین رستے سے چڑھنے کی تربیت کے علاوہ کلاشنکوف اور پستول سے نشانہ باندھنے کی تربیت بھی ملی۔ گویا یہ وہ حقیقی حق مہر اور منہ دکھائی تھی جو ایک مجاہد شوہر نے اپنی نئی نویلی دلہن کو دی۔ اور جب اسی دوران پہاڑ سے اترتے ہوئے میرے پاؤں کا انگوٹھا ذرا سا زخمی ہوا تو میں نے ان سے کہا کہ "یہ اللہ کے رستے میں پہلا زخم ہے، چاہے چھوٹا ہی سہی، مگر اللہ اسے قبول کرلیں تو یہ بہت قیمتی ہے"۔

اس دوران بنیادی نظریات کی درستی اور فکری تربیت بھی ساتھ ساتھ ہوتی رہی۔ ان ہی دنوں میں انہوں نے مجھے ذہن سازی کے لیے مؤثر چند جہادی ویڈیوز دکھائیں۔ وہ ہمیشہ ہی میرے سوالات کے تسلی بخش جواب دیا کرتے۔ کبھی بھی انہوں نے مجھے یہ تاثر نہیں دیا کہ "تم کیا جانو ان جہادی معاملات کو؟ تم تو عورت ہو، اپنے کام سے کام رکھو..." بلکہ ہمیشہ ہی ہر معاملے اور ایشو کو کھول کھول کر بیان کیا۔ مثلاً ہمارے وہاں قیام کے دوران ہی ایف سی پر مجاہدین کے حملے کی اطلاع خبروں کے ذریعے ملی۔ جب میں نے اس بابت ان سے سوال کیا اور اپنی ذہنی الجھن ان کے سامنے رکھی تو انہوں نے بہت وضاحت کے ساتھ الولاء والبراء کا عقیدہ، موجودہ زمینی صورت حال کے تناظر میں بیان کیا، جس سے الحمدللہ دل وذہن کی گرہیں کھل گئیں۔

نیز ان کا ساتھ بذاتِ خود میری ایمانی وفکری تربیت کا سامان تھا۔ بہت خوبصورت لب ولہجے کے ساتھ روزانہ تلاوتِ قرآن ان کا معمول تھا۔ اور کم ہی ایسا ہوتا تھا کہ تلاوت کرتے ہوئے ان کی آنکھوں میں آنسو نہ آئے ہوں۔ تب تک میرا تو تلاوتِ قرآن کا وہی حال تھا جو عموماً دینداروں کا ہوتا ہے کہ رمضان المبارک میں ایک قرآن پاک ختم کرلیا اور باقی پورا سال چند پارے بھی ڈھنگ سے نہ پڑھے جاتے۔ ایک مرتبہ جب میں پے در پے چند روز تک تلاوت نہ کرپائی تو

کہنے لگے کہ "قرآن کے بغیر زندہ رہنے کا کوئی تصور بھی کیسے کر سکتا ہے!"سنتوں کا اہتمام اور توجہ کے ساتھ وضو کرنا بھی میں نے انہی سے سیکھا۔ اور پھر ان کی نماز... اس کی خاص بات ان کے طویل رکوع و سجود کے علاوہ یہ بھی تھی کہ نماز پڑھتے ہوئے ان کی توجہ بالکل ادھر ادھر نہ جاتی تھی (نحسبه كذلك ولا نزكي على الله أحدا)۔کمرے میں کوئی بھی کام ہو رہا ہو، نماز کے دوران ان کو عموماً اس کی خبر نہیں ہو پاتی تھی۔

اسی طرح سلام کی کثرت اور اس میں پہل کرنے کی کوشش کرنا بھی ان کے عمل نے ہی مجھے سکھایا۔ شہروں کی زندگی میں گھر کے افراد کو ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں آتے جاتے ایک دوسرے کو سلام کرنے کی عادت کب ہوتی ہے! جبکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معاملہ تو یہ تھا کہ راہ چلتے چلتے اگر دو افراد کے درمیان ایک درخت بھی آجاتا تو درخت کے پرے پھر ایک دوسرے کو سلام کرتے۔ مجاہدین کے یہاں عموماً کثرتِ سلام کا اہتمام کیا جاتا ہے، الحمدللہ۔ اسی طرح رات سونے سے پہلے اپنے اوپر (سورۃ الاخلاص، سورۃ الفلق، سورۃ الناس پڑھ کے) مسنون دم کر کے سونا اور اس کی پابندی کا اہتمام کرنا اور زندگی کے روزمرہ معاملات میں سنتوں کی پابندی کا خیال رکھنے کی کوشش کرنا، مثلاً کوئی چھوٹی سی چیز بھی بسم اللہ پڑھے بغیر اور ٹیک لگا کر نہ کھانا وغیرہ، ان کی صحبت ہی نے مجھے سکھایا۔

چلیے واپس اپنے سفر کی طرف آتے ہیں۔ اب ہم نے اس جگہ سے آگے کی طرف رختِ سفر باندھنا تھا، سو ہمارے انصار میرے لیے ٹوپی والا برقع لے آئے۔ پندرہ دن وہاں گزارنے کے بعد میں بہتی آنکھوں (انصار سے جدائی کے غم میں، کہ ان کے خلوص، محبت اور بے لوث خدمت نے ان کے ساتھ دلی تعلق جوڑ دیا تھا) اور 'وہ' اپنی بے قابو ہنسی (مجھے ٹوپی والا برقع پہنے دیکھ کر) کے ساتھ وہاں سے رخصت ہوئے اور سرزمینِ ہجرت کی جانب گامزن ہوئے۔

کئی گھنٹوں پر محیط مسلسل سفر اللہ تعالیٰ نے انتہائی آسان بنا دیا۔ رات ہو چکی تھی جب ہم ہجرت کی سرزمین پر انصار کی بستی میں پہنچے۔ چاند کی آخری تاریخیں چل رہی تھیں اور پورا وانا (جنوبی وزیرستان) اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ شاید ایک دو روز قبل بارش ہوئی تھی کہ جابجا کیچڑ تھا۔ وہ تو اس سب سے واقف تھے مگر میرے لیے یہ سب کچھ ہی نیا تھا۔ ایک مقامی انصار کے گھر کے دروازے پر دستک دے کر انہوں نے مجھ سے کہا کہ "آپ اندر خواتین کے پاس چلی جائیں اور میں باہر مردوں کے حصے (بیٹھک) میں رہوں گا"۔ اجنبی جگہ، گھپ اندھیرا اور اس پر مستزاد ٹوپی والا برقع (جس کی قطعاً عادت نہ تھی۔ اس کے باریک سوراخوں میں سے تو روشنی میں بھی نظر آنا مشکل تھا جبکہ اندھیرے میں تو بالکل ہی

کچھ نظر نہ آتا تھا) پہنے صدر دروازے سے اندر قدم بڑھایا تو چہار جانب کھڑا پانی اور کیچڑ کو موجود پایا۔ چند قدم ہی اٹھائے تھے اور بری طرح گرنے لگی ہی تھی کہ استقبال کے لیے موجود انصاری خاتون نے تھام لیا۔ خواتین کی ہمراہی میں میں نے لمبا صحن پار کیا، پھر ایک کمرے میں داخل ہوئی اور اس کمرے کے اندر سے ایک اور کمرے میں۔ کمروں کے اندر بھی بالکل اندھیرا تھا۔ نیا علاقہ، نیا ماحول، نہ میں ان کی زبان سے واقف اور نہ وہ میری زبان سے واقف، اب تو میری گھبراہٹ عروج پر پہنچی۔ گھر کی تمام خواتین اور بچے فرداً فرداً آکر مجھ سے ملے، مگر مجھے اندھیرے میں نہ کسی کے چہرے کی پہچان ہو رہی تھی اور نہ ہی کچھ سمجھ میں آرہا تھا۔ گھر کی خواتین مجھ سے بہت محبت سے بہت کچھ پوچھے جارہی تھیں مگر مجھے ان کی زبان سمجھ آتی تب نا! بس دل کرتا تھا کہ کسی طرح یہ رات گزر جائے اور صبح کی روشنی نمودار ہو تاکہ میں کچھ دیکھنے کے قابل ہو سکوں۔ اللہ اپنے بندے پر بہت ہی مہربان ہے، سو میرے رب نے اپنی بندی کی یہ آزمائش طویل نہ ہونے دی اور تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہی (جو مجھ پر کئی طویل گھنٹے بن کر گزرا تھا) بلاوا آگیا کہ ”کہیں اور جانا ہے، باہر آجائیں“۔ اسی طرح گرتی پڑتی باہر پہنچی تو انہیں سامنے موجود پا کر تسلی ہوئی۔

اب ایک اور مقامی انصار کے گھر پہنچے جہاں پہلے سے ایک انتہائی پیارا مہاجر گھرانہ مقیم تھا۔ شوہرِ محترم نے بتایا کہ ”یہاں آپ کو آپ کی ہم زبان ایک باجی ملیں گی، جن سے آپ کو بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملے گا“۔ نجانے کیوں میں نے ان کی بات سے باجی کے متعلق یہ تاثر قائم کیا کہ وہ عمر میں مجھ سے کافی بڑی کوئی خاتون ہوں گی جنہوں نے ہلکے رنگ کا لباس پہنا ہوگا اور سفید دوپٹہ اوڑھ رکھا ہوگا۔ مگر باجی کو دیکھ کر مجھے جھٹکا لگا کہ وہ تو مجھ سے فقط چند برس ہی بڑی تھیں اور انہوں نے خوبصورت فیروزی رنگ کا لباس پہن رکھا تھا۔ خیر پہلی ہی ملاقات میں مجھے وہ بہت اچھی لگیں۔ وہ مجھے بالائی منزل پر واقع اپنے کمرے میں لے گئیں۔ ابتدائی تعارف کے بعد میں نے انہیں بتایا کہ میں بہت ڈر گئی تھی۔ کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد باجی نے کہا کہ ”اگر آپ سونا چاہیں تو کچھ دیر سو لیں“۔ مجھے نہیں پتا چلا کہ میں کب سو گئی، تقریباً آدھے گھنٹے بعد آنکھ کھلی تو باجی کو اپنے قریب ہی بیٹھے پایا (چند روز بعد باجی نے مجھے بتایا کہ آپ تو پہلے دن اپنے دل کا خوف مجھے بتا کر سو گئی تھیں اور میں اکیلی بیٹھ کر ڈرتی رہی۔ باجی اور ان کے شوہر ۲۰۱۲ء میں رمضان المبارک کے آخری روزے کی افطاری سے چند لمحے قبل، پاکستانی جیٹ طیارے کی بمباری میں شہید ہو گئے؛ اللّٰھم تقبّلھم)۔

کچھ ہی دیر میں انصاری خواتین بلانے آگئیں۔ مقامی لوگوں کے اعتبار سے تو اس وقت تک تہائی رات گزر چکی تھی کہ وہ لوگ فطرت کے قوانین کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ سحری کے وقت اٹھ جانا اور پھر عشاء کی نماز پڑھتے ہی سو جانا۔

سردیوں کی راتوں کی طوالت تو مجھے وہیں جاکر محسوس ہوئی، ورنہ شہری زندگی میں تو بجلی کی موجودگی نے فطری قوانین سے لاپرواہ کر دیا ہے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو وہ لوگ ہمارے استقبال کے لیے اپنے گرم بستروں کو چھوڑ کر اٹھے اور انتہائی محبت، گرم جوشی اور کشادہ دلی سے استقبال کیا۔ فوراً ہی مرغی ذبح کی اور جتنی دیر میں سالن تیار ہوا، ساتھ ہی آٹا گوندھ کر روٹیاں بھی تیار کر لی گئیں۔ طویل تھکا دینے والے سفر کے بعد میزبانوں کے شاندار استقبال، گرما گرم مزیدار کھانے اور چائے نے بالکل تازہ دم کر دیا۔ نیز ہم زبان و ہم وطن باجی کی موجودگی نے میرا اعتماد بحال کر دیا۔

اگلا ایک ماہ ہم نے اسی گھر میں گزارا۔ اس گھر میں گزارا وقت میں کبھی نہیں بھلا سکتی۔ باجی اور بھائی جان نے ہماری آمد کے ساتھ ہی اپنا کمرہ (یعنی اپنا گھر۔ کیونکہ میدانِ ہجرت میں عموماً ایک ایک کمرہ ہی ہر گھرانے کے پاس ہوتا ہے، جس کے اندر اس کی ضرورت کا سارا سامان اور چولھا برتن وغیرہ بھی ہوتے ہیں) اپنے سازوسامان سمیت ہمارے حوالے کیا اور خود اسی گھر کے ایک بہت ہی چھوٹے سے کمرے میں منتقل ہو گئے۔ بعض مرتبہ باجی کو اپنی ضرورت کی اشیاء کے لیے بالائی منزل کے کئی چکر لگانے پڑتے تھے مگر ان دونوں میاں بیوی نے نہ صرف یہ کہ کبھی اف تک نہ کی بلکہ ہمیں کبھی یہ محسوس ہی نہ ہونے دیا کہ انہوں نے ہم پر کوئی احسان کیا ہے بلکہ ہمیشہ یہی احساس دلایا کہ یہ سب تو تمہارا ہی ہے اور تمہارا ہی حق ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، ان سے راضی ہو اور جنتوں میں ان کا ساتھ عطا فرمائے، آمین۔

ہمارے شوہر حضرات تو دن کا بیشتر حصہ اپنے جہادی کاموں کے سلسلے میں گھر سے باہر گزارتے تھے، جبکہ میرا اور باجی کا دن ایک دوسرے کے ساتھ گزرتا تھا۔ میرے شوہر کی یہ بات بالکل درست ثابت ہوتی جارہی تھی کہ باجی سے آپ کو بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے باجی کو علم، فہم اور تربیت کی حکمت سے نوازا تھا۔ میں نے چونکہ عملی زندگی میں نیا نیا قدم رکھا تھا لہٰذا میں ازدواجی زندگی کی نزاکتوں سے بے بہرہ تھی اور اپنے پاس کسی بڑے کی کمی بہت شدت سے محسوس کرتی تھی۔ باجی نے اس کمی کو بہت احسن انداز سے پورا کیا اور بہت سے قیمتی مشوروں، مفید آراء اور کارآمد نصائح سے میری مدد کی۔ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ باجی سے دوستی اور محبت کا گہرا رشتہ استوار ہو گیا۔

چونکہ یہ طے شدہ تھا کہ زندگی کا اصل مقصد اور ترجیحِ اول بیوی کو وقت دینا نہ تھا، بلکہ اصل مقصد وہ تھا جس میں اللہ کی رحمت سے ہم دونوں ایک دوسرے کے معاون تھے، لہٰذا ان کے وقت کا بڑا حصہ جہادی کاموں ہی کے لیے وقف ہوتا۔ البتہ میری ذہنی و فکری تربیت کی طرف ان کی بھرپور توجہ رہتی۔ ابتداءً انہوں نے مجھے شیخ سفر الحوالی کی کتاب

"بالآخر کیا ہو گا؟" پڑھنے کے لیے دی اور کہا کہ "آپ نے سرِورق سے لے کر آخری صفحے تک یہ پوری کتاب پڑھنی ہے، میں اس کا امتحان لوں گا"۔ اس وقت تک مجھے کتابوں سے کچھ خاص لگاؤ نہ تھا۔ خیر حکم حاکم کے مصداق کتاب پڑھنی شروع کی، ویسے ہی جیسے میری عادت تھی، یعنی سرورق دیکھا، مصنف کا نام پڑھا، پیش لفظ اور مقدمہ وغیرہ غیر ضروری جان کر چھوڑ دیا اور کتاب کے اصل متن کو پڑھ لیا۔ آخر ایک دن وہ فرصت پا کر امتحان لینے بیٹھ گئے۔

سردیوں کے دن تھے۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ وہ کمرے کے باہر صحن میں ایک ستون سے ٹیک لگا کر کچی زمین ہی پر بیٹھ گئے اور مجھے بھی بیٹھنے کو کہا۔ میں جو شہری زندگی چھوڑ کر نئی نئی آئی تھی، کپڑے میلے ہو جانے کے خیال سے جھجک گئی مگر انہوں نے بصد اصرار کچی زمین ہی پر بٹھایا (کافی بعد میں یہ بات میری سمجھ میں آئی کہ یہ بھی میری تربیت ہی کا حصہ تھا، تاکہ میرے اندر عاجزی پیدا ہو اور میں تصنع کو چھوڑ کر فطرت سے قریب تر ہو سکوں) اور امتحان شروع ہوا۔ پہلا سوال کتاب کے نام اور مصنف کے نام سے متعلق تھا، وہ میں نے بتا دیا۔ اب پوچھا کہ مصنف کہاں پیدا ہوئے اور ان کا تعلق کس علاقے سے ہے؟ میں نے حیران ہو کر کہا کہ کتاب کے متن میں تو یہ بات کہیں نہیں ہے۔ یہ سن کر میری "عقل مندی" کی داد دیتے ہوئے کہا کہ "سرورق کی اندرونی طرف مصنف کا پورا تعارف موجود ہے"۔ تب سمجھ میں آئی کہ سرورق سے صفحہ ءآخر تک پڑھنے کا کیا مطلب تھا، اور پھر یہ سبق پکا ہو گیا، الحمدللہ۔

دوسری طرف باجی نے میری معاشرتی تربیت کا محاذ سنبھالے رکھا۔ اس معاشرے میں کیسے رہنا ہے، انصار سے محبت، ان کا حق سمجھنا اور ادا کرنا، ان کی دل جوئی سے غفلت نہ برتنا، ان کی زبان سیکھنے اور اس پہ عبور حاصل کرنے کی کوشش کرنا، ان کی کھلے دل سے مہمان نوازی کرنا اور اس کے ساتھ ساتھ، حکمت سے ان کی شرعی تربیت کرنا اور ان کی کمزوریوں کی اصلاح کرنا وغیرہ۔ میں برملا اس کا اعتراف کرتی ہوں کہ قبائلی معاشرے میں اپنی عزت و مقام بنانے، مقامی انصار سے محبت کرنے، ان سے محبت پانے اور اس معاشرے کے رسوم و رواج کی رعایت کرتے ہوئے اس میں رہنے بسنے کے طور طریقے، مجھے میرے شوہر نے اور باجی نے سکھائے، گویا انگلی پکڑ کر مجھے اس معاشرے میں چلنا سکھایا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میرے ان دونوں مربیّوں کو بہترین درجات عطا فرمائیں آمین۔

حقیقت یہ ہے کہ انصار کا یہ حق ہمیں خود رسول اللہ ﷺ نے سکھایا ہے کہ "انصار ایک گھاٹی میں ہوں اور مہاجرین دوسری گھاٹی میں تو میں انصار کی گھاٹی میں ان کے ساتھ ہوں گا" اور "اے اللہ! انصار پر، ان کے بیٹوں پر، اور ان کے بیٹوں کے بیٹوں پر رحم فرما" اور یہ کہ "کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ لوگ مال و دولت لے کر گھر جائیں اور

تم اللہ کے رسول ﷺ کو اپنے ساتھ لے کر جاؤ"۔ اللہ ہمیں انصار کی محبت، ان کا حق سمجھنے اور ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

انصار سے معاملہ کرتے ہوئے ہمیں چند بنیادی باتیں ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہییں۔ پہلی بات تو یہ کہ ہمارا طرزِ زندگی اور ہماری روز مرہ ضروریات ان کے سادہ ترین طرزِ زندگی سے بہت مختلف ہیں۔ ایسے میں انصار کے اندر تجسس کا پیدا ہونا اور گھر میں موجود سامان اور اشیاء پر غور کرنا اور ان سے متعلق سوال کیے جانا یقینی ہے۔ اس رویے سے ہمارے دل تنگ نہیں ہونے چاہییں بلکہ اس کی پوری پوری رعایت کی جانی چاہیے۔ نیز یہ بھی کوشش کرنی چاہیے کہ ہماری تمام اشیائے خورد و نوش اور لباس کے ذیل میں داخل ہونے والا تمام سامان منظرِ عام پر موجود نہ ہو۔ اصولی بات یہ ہے کہ ہم اپنے سامان کی حفاظت کے خود ذمہ دار ہیں۔

اگر ہم یہ چاہیں کہ اپنی ہر چیز منظرِ عام پر بھی رکھیں اور پھر نہ کوئی اس کی جانب نظر اٹھا کر دیکھے، نہ اس سے متعلق سوال کرے اور نہ ہی اسے گفتگو کا موضوع بنایا جائے تو یہ رویہ درست نہیں ہے۔ ایک غریب، سادہ اور دنیاوی زندگی کے عیش و عشرت سے لاعلم شخص اور اس کی اولاد کو ہم آزمائش میں ڈالیں ہی کیوں؟ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے شدید بھوک میں مبتلا شخص کے سامنے قسم قسم کے کھانے چن دیے جائیں جن کی خوشبو اور شکل اس کی بھوک کو مزید بڑھا دے اور پھر اس پر پابندی لگا دی جائے کہ نہ تم نے اس کو دیکھنا ہے، نہ اسے چکھنا ہے، نہ ہی اس کے بارے میں سوال کرنا ہے۔ اور اگر وہ اپنی بھوک سے مجبور ہو کر ذرا سا چکھ لے تو ہم اسے جاہل، اجڈ، چور، اچکا جیسے خطابات دے ڈالیں۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ اصل بات یہ ہے کہ تربیت ان کی نہیں بلکہ ہماری اپنی ہونی چاہیے کہ ایک تو ہم اپنی ضروریات کو محدود کرنے کی کوشش کریں، اپنے طرزِ زندگی اور اپنے لباس کو ممکنہ حد تک ان کے طرزِ زندگی اور ان کے لباس سے نزدیک لانے کی کوشش کریں، اپنا سامان منظرِ عام پر رکھ کر اس کی نمائش کرنے کی بجائے اس کی ممکنہ پردہ پوشی کا اہتمام کریں اور اپنے اموال اور قیمتی چیزوں کی خود حفاظت کریں، تاکہ کل کو کسی پر الزام لگا کر نہ اسے شرمندہ کریں اور نہ عند اللہ اپنے شرمندہ ہونے کا انتظام کریں۔

اسی ضمن میں ایک واقعہ بھی سناتی چلوں کہ ہمارے ایک بہت ہی پیارے انصار تھے۔ ان کا دس گیارہ سال کا ایک بیٹا تھا جس سے ہم کبھی کبھار کچھ سودا منگوا لیا کرتے تھے۔ ایک روز اس گھر کے بزرگ نے ہمیں پیغام بھجوایا کہ "آپ لوگ اس بچے کو سامان کے لیے پیسے دے کر مت بھیجا کریں۔ بلکہ جب یہ سامان لے آئے تو ہر چیز کی قیمت پوچھ کر ادائیگی کیا

کریں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہے تو بچہ ہی۔ بچے کا دل کبھی پھسل بھی سکتا ہے۔ لہٰذا اس کے ہاتھ میں زیادہ پیسے دے کر اسے آزمائش میں مبتلا نہ کریں۔"

پھر میں اور آپ ذرا اپنے دل پہ ہاتھ رکھ کے دیکھیں کہ کل کو یہی انصار مہاجر بن جائیں اور ہم نیچے اپنے گھروں میں موجود ہوں اور ہمیں ان مہاجرین کو اپنے گھروں میں پناہ دینی پڑے، جن کی زبان، رسم و رواج، لباس، خوراک، طور طریقے سب کچھ ہی ہم سے مختلف ہیں، پھر بتائیں کہ کب تک ہم ان کے ساتھ اس صبر، حلم اور محبت کا معاملہ کر سکیں گے جس کی توقع ہم ان سے کرتے ہیں!! اور حقیقت یہ ہے کہ ہم پکے گھروں کے عادی لوگ، ان انصار کے کچے گھروں کی جو درگت بناتے ہیں (کچے گھروں کی کماحقہ حفاظت اور بروقت مرمت نہ کرسکنے کے سبب) ان کے بچوں اور خواتین کو جن حسرتوں میں مبتلا کرتے ہیں، اس کے باوجود یہ انصار جس طرح اپنی جان، مال، خدمت، پناہ کے ذریعے ہماری مدد و نصرت کرتے ہیں اور جس طرح وہ ہمارے ساتھ صبر اور حلم کا معاملہ کرتے ہیں، یہ انہی کا خاصہ ہے اور یقیناً صرف اللہ رب العزت ہی کی ذات "الشکور" ہے، حقیقی قدر دان ہے اور آخرت کے دن ہم سب جان لیں گے کہ ان انصار کا عند اللہ کیسا (بلند) مقام ہو گا ان شاء اللہ۔

باجی چونکہ بہت سالوں سے اپنے مجاہد شوہر کا ساتھ دے رہی تھیں، لہٰذا ان کی دینی سوچ و فکر بہت پختہ تھی۔ ایک روز جب ہم دونوں خواتین کے شوہر حضرات حسب معمول جہادی کاموں کے سلسلے میں گھر سے باہر گئے ہوئے تھے، باجی نے مجھ سے کہا کہ "آئیں آج ہم تجدیدِ نیت کرتے ہیں کہ خلوصِ نیت کے بغیر تو کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارے شوہر تو اللہ کی رضا اور آخرت کی کامیابی سبھی کچھ لوٹ کر لے جائیں اور ہم اپنی نیتوں کے عدم وجود یا عدم اخلاص کی وجہ سے خالی ہاتھ رہ جائیں"۔ ان کی یہ بات میرے دل کو بہت بھائی اور یوں ہم دونوں نے اسی وقت وہاں بیٹھ کر اپنی اپنی نیت کی تجدید کی کہ "ہم نے ہجرت اور جہاد کا رستہ اپنے شوہروں کے لیے اور ان کی وجہ سے اختیار نہیں کیا ہے، بلکہ ہم نے اپنے رب سے خود جنت کا سودا کیا ہے، اپنی جان و مال کو اپنے رب کے ہاتھ جنت کے بدلے بیچا ہے اور ہماری ہجرت اور جہاد صرف اللہ کے لیے ہے۔ اور اگر خدانخواستہ کبھی ہمارے شوہر حضرات (نہ رہے یا) اس رستے پہ قائم نہ رہ سکے... تو بھی ہم اس رستے کو نہ چھوڑیں گی اور جہاد پر قائم رہیں گی"۔ باجی تو چند سال قبل اپنی نیت کی سند پر مہر شہادت ثبت کروا چکیں (نحسبها كذلك)، اللہ رب العزت مجھے بھی اپنی نیت کو سچا ثابت کرنے والا بنائے اور اپنے رستے میں مقبول شہادت سے محروم نہ فرمائے، آمین۔

میری زندگی کا ایک بہت ہی خوبصورت لمحہ اس وقت آیا جب ایک روز وہ گھر آئے اور کہا کہ "دیکھیں! میں آپ کے لیے کیا لایا ہوں"، اور یہ کہہ کر اپنے دونوں ہاتھ میرے سامنے کیے۔ ان کے ہاتھوں میں کوئی زیور، کپڑے یا خوشبو وغیرہ نہیں تھی بلکہ ایک چھوٹا سا چمکتا دمکتا پستول تھا جو وہ میرے لیے لائے تھے..... میرا ذاتی پستول.... میرا پہلا ذاتی اسلحہ۔ کیا ہی خوشی کسی عورت کو زر و جواہر سے مزین زیورات پا کر ہوئی ہو گی، جو خوشی مجھے اس پستول کو پا کر ہوئی۔ پھر جہاد فی سبیل اللہ کے مقصد کے لیے اسلحے کے حصول اور اس کی تعداد میں اضافے کے ساتھ ننھی اجر کے وعدے، اس خوشی کو کئی گنا بڑھا دینے کا باعث تھے۔

باجی وغیرہ کی طرف تقریباً سوا مہینہ گزارنے کے بعد ہمارے لیے گھر کا انتظام ہو گیا اور ہم وہاں منتقل ہو گئے۔ اس وقت تک مقامی زبان سے میری واقفیت چند استقبالی کلمات تک ہی محدود تھی۔ دو کمروں، برآمدے اور صحن پر مشتمل احاطہ انصار کے گھر کی چار دیواری کے اندر ہی تھا۔ انصار کے گھر میں ایک بزرگ 'آدے' (والدہ) ان کے شوہر — جنہیں میں بابا کہنے لگی اور وہ بھی (اپنے گھر والوں اور میرے شوہر سے بات کرتے ہوئے) ہمیشہ مجھے اپنی بیٹی ہی کہا کرتے تھے — اور ان کے دو جوان بیٹے تھے۔

بابا اور ان کے بیٹے تو دن کا زیادہ تر وقت گھر سے باہر گزارتے تھے۔ جبکہ میرے شوہر بھی اپنے کاموں کے سلسلے میں دن تو باہر گزارتے ہی تھے، اکثر اوقات رات بھی باہر گزارتے۔ ایسے میں میں تنہا ہی ہوتی۔ اس تنہائی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اوقات اللہ تعالیٰ سے تعلق میں بہتری لانے کی کوشش میں صرف ہونے لگے۔ نیز میں جو مطالعے سے انتہائی دور بھاگتی تھی اب مطالعہ کرنے کی عادی اور بتدریج کسی حد تک شوقین ہو گئی کہ پھر ہمیشہ ہی کوئی نہ کوئی کتاب مطالعے میں رہتی رہی، الحمدللہ۔ کتابوں کے بعد میری تنہائی کی دوسری ساتھی آدے تھیں، جو بڑی پابندی کے ساتھ صبح و شام دس پندرہ منٹ یا آدھا گھنٹہ میرے پاس بیٹھنے آتی تھیں۔ اسی دوران میں نے ان سے پشتو سیکھی۔ یہ پشتو سیکھنے کی کہانی بھی بڑی مزیدار ہے۔

ہوا یہ کہ ابتداءً تو مجھے پشتو کا ایک لفظ بھی نہیں آتا تھا اور آدے کو پشتو کے علاوہ کسی زبان کا کوئی لفظ نہیں آتا تھا۔ سو جب آدے میرے پاس آتی تھیں اور باتیں کرتی رہتی تھیں تو میں (اپنے شوہر کے سکھائے طریقے کے مطابق) اُن کے چہرے کے تاثرات کے مطابق ہی اپنے تاثرات کا اظہار کرنے کی کوشش کرتی تاکہ انہیں یہ احساس نہ ہو کہ میں ان کی کوئی بات سمجھ نہیں پا رہی اور ان کی دل شکنی نہ ہو۔ اسی طرح سنتے سنتے کچھ نہ کچھ مفہوم مجھے سمجھ میں آنے لگا مگر پوری

بات میں پھر بھی نہیں سمجھ پاتی تھی۔ ایک روز آدے میرے پاس آئیں اور اپنے بیٹے سے متعلق کوئی طویل کہانی سنا کر گئیں جو مجھے بالکل بھی سمجھ نہیں آئی۔ اس رات 'وہ' گھر نہیں آئے۔ اگلی رات کو آئے تو انہوں نے بتایا کہ آدے کے بیٹے کو کچھ لوگوں نے غلط فہمی کی بنا پر اٹھالیا تھا اور دو دن بعد بخیر و عافیت چھوڑ دیا۔ میں بہت حیران ہوئی کہ آدے نے مجھے کیوں نہ بتایا۔ یہی بات جب میں نے آدے سے پوچھی تو انہوں نے مجھے بہت عجیب سے نظروں سے دیکھا اور پوچھا کہ ''تمہیں کس نے یہ بات بتائی ہے؟'' میں نے اپنے شوہر کا نام لیا، تو کہنے لگیں کہ ''اسے کس نے بتایا ہے؟'' میں نے کہا کہ ''آپ کے بیٹے نے''۔ پھر کہنے لگیں کہ ''پرسوں میں جو تمہیں اتنی لمبی کہانی سنا کر گئی تھی وہ کیا تھی؟'' بس پھر نہ پوچھیں کہ شرمندگی کے مارے میرا کیا حال ہوا۔ اسی طرح آدے کے زیرِ تربیت آہستہ آہستہ میں نے اس حد تک مقامی زبان سیکھ لی کہ میں بہ آسانی مقامی خواتین سے ان کی زبان میں گفتگو کرنے لگی۔

میدانِ ہجرت و جہاد میں رہتے ہوئے مقامی زبان سیکھنے کی ضرورت کو سمجھنا، اس کا شوق رکھنا، اس کے لیے محنت اور کوشش کرنا بہت اہم ہے۔ مقامی لوگوں کے دل بھی ان مہاجرین کے لیے زیادہ کھلتے ہیں جو ان کی زبان سیکھنے کا شوق رکھتے ہیں اور اس کے لیے محنت کرتے ہیں۔ یقین مانیں کہ ہماری اپنی زبان میں کی گئی رواں بات (اگر مخاطب ہماری زبان سمجھتا ہو) سے کہیں زیادہ پر اثر وہ بات ہے جو مقامی زبان میں کہے چند الفاظ پر مشتمل ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ مقامی زبان سے واقفیت پیدا کرنے کی کوشش نہ کرنا یہ تاثر دیتا ہے کہ ہم اپنے آپ کو برتر اور انصار اور ان سے منسوب ہر چیز کو کمتر سمجھتے ہیں (چاہے حقیقت میں ایسا نہ ہو) ہمارا انصار کے ساتھ تعلق صرف ضرورت کی بنیاد پر نہیں ہونا چاہیے بلکہ ان کے ساتھ گھلنا ملنا اور ان کے ساتھ محبت کا تعلق پیدا کرنا خود ایک کام ہے۔ اللہ ہمیں انصار کا حق ادا کرنے والا بنائے، آمین۔

انصار کا ہم پر ایک بہت بڑا حق یہ بھی ہے کہ ہم ان کی آخرت کی فکر کریں اور ان کی اخروی فلاح کے حریص ہوں۔ انتہائی پیار محبت، دردمندی اور خیر خواہی کے ساتھ ان کا اللہ کے ساتھ تعلق جوڑنا، آخرت کی فکر ان کے اندر پیدا کرنا ان کا ہم پر حق ہے۔ یہ تو انصاف نہ ہوا نا کہ ہم ان سے دنیا کی تمام خدمات لے لیں اور اس کے عوض ان کی آخرت کو معلق چھوڑ دیں۔ مگر یہ بات بھی ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ دردمندی اور خیر خواہی کے ساتھ اللہ سے تعلق جوڑنے میں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے میں بہت فرق ہے۔ ہم نے اول الذکر کو تھامنا ہے اور آخر الذکر پر انصار کے معاملے میں اس لیے ہاتھ نہیں ڈالنا کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی نزاکتوں اور حکمتوں سے ناواقفیت کے باعث ہمارا رویہ لوگوں کو اللہ کے قریب لانے کی بجائے دین سے دور لے جانے کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ سو ہم دل سے انصار کی

اخروی فلاح کے حریص ہوں اور اس کے لیے محنت کریں۔ اور یہ محنت اسی وقت باثمر ہو سکتی ہے جب ہم ان کی زبان سے واقف ہوں اور ہمارا ان کے ساتھ دلی محبت کا تعلق ہو۔

ان پانچ ماہ کے دوران (جن میں میں اس گھر میں تنہا تھی کہ 'وہ' کم ہی گھر رہا کرتے تھے) جتنا وقت بھی مجھے ان کی طرف سے ملا اس میں وہ میری دینی تربیت کی طرف توجہ دیتے رہے۔ دریافت کیا کہ "کیا صبح و شام کے اذکار پابندی سے پڑھتی ہیں؟ "اثبات میں جواب ملنے پر پوچھا کہ "تمام اذکار کے معانی سے واقف ہیں؟ "اس کا جواب نفی میں ملا تو کہنے لگے کہ "تمام اذکار کا ترجمہ یاد کریں، میں سنوں گا" (اور سنا بھی)۔ مقصد صرف یہ تھا کہ اذکار پوری توجہ سے پڑھے جائیں اور ان کی اہمیت دل و ذہن میں اجاگر ہو جائے۔ اسی عرصے میں وہ اپنے ساتھیوں کو شرعی دورہ کروا رہے تھے۔ ساتھ ساتھ مجھے بھی اس کا کچھ حصہ ملتا رہا۔ عقائد کے حوالے سے مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مایہ ناز کتاب "عقائد الاسلام" لفظاً لفظاً پڑھائی، سمجھائی اور بنیادی عقائد نہایت آسان طریقے سے میرے سامنے رکھے۔ ساتھ ہی ساتھ جب انہوں نے میری تلاوت میں موجود تجوید اور مخارج کی غلطیوں کی جانب توجہ دلائی تو میری درخواست پر مکمل تیسواں پارہ تجوید کے ساتھ ایسا پڑھایا کہ الحمد للہ اس کے بعد میری بنیادی غلطیاں درست ہو گئیں۔ یہ یقیناً میرے اوپر ان کے احسانات میں سے ایک بہت بڑا احسان ہے۔

ان سب باتوں کے باوجود، چونکہ میں ایک مصروف زندگی چھوڑ کر آئی تھی اور میرا دل و ذہن مغربی نظامِ تعلیم کے مہلک اثرات سے پوری طرح متاثر تھا، لہٰذا میں مسلسل ان کا سر کھاتی کہ "مجھے کچھ کام دیں"، "مجھ سے کچھ کام لیں"، "مجھ سے فارغ نہیں بیٹھا جاتا" وغیرہ۔ وہ کہتے کہ "کھانا پکانا، کپڑے دھونا، گھر کا خیال رکھنا، میرا خیال رکھنا، مہمانوں کی خدمت کرنا، یہ سب کام ہی تو ہیں، مزید کیا کام چاہیے آپ کو؟" مگر میں، جو جاہلیت کی زندگی میں آفس جاب کو ہی اپنا مقصدِ زندگی بنائے بیٹھی تھی، میرے نزدیک یہ گھریلو کام اور ذمہ داریاں کوئی حیثیت ہی نہ رکھتے تھے اور میں اب بھی ایسا کوئی کام کرنا چاہتی تھی جس میں مجھے کامیابی اور آگے بڑھنے کا احساس ہو اور مجھے محسوس ہو کہ میں بھی دین کے کام اور جہاد میں اپنا بھرپور حصہ ڈال رہی ہوں اور میری 'ڈگری' یوں ضائع نہ ہو۔

آخر ایک دن انہوں نے تسلی سے مجھے بٹھایا اور کہا کہ "کام چاہیے؟ تو کریں کام، کس نے منع کیا ہے! کیا اللہ کو راضی کر لیا؟ قرآن پورا حفظ کر لیا، سمجھ لیا، عمل میں اتار لیا؟ مسنون دعائیں ساری یاد کر لیں؟ اگر نہیں؛ تو کیا یہ سب کرنے کے کام نہیں ہیں جو آپ مزید کام چاہتی ہیں اور فرصت و فراغت کا گلہ کر رہی ہیں؟" غرض یہ کہ انہوں نے تو ایک ہی

نشست میں میری سوچ کا پانسا پلٹ دیا کہ بی بی! کرنے کے کام وہ نہیں ہیں جن میں ساری دنیا کو یہ نظر آئے کہ آپ کچھ کر رہی ہیں اور کامیابی کا اظہار و احساس ہو رہا ہو، بلکہ کرنے کے کام تو وہ ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں مکمل نصابِ زندگی کے ساتھ دنیا میں بھیجا ہے۔ نیز یہ پورا تصور دل سے اس خود پسندی اور تکبر کو نکالنے کا باعث ہے، جو انسان کو یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ میں تو وہی کام کروں گی جو میرے ذہنی معیار (caliber) کے مطابق ہو گا۔ حالانکہ میں کیا اور میرا ذہنی معیار کیا! مجھے میرے رب نے آزاد تو نہیں چھوڑا کہ میں جو مقصد و منزل چاہوں اپنے لیے پسند کروں۔ میری منزل تو میرے رب نے متعین کر دی اور کہا کہ اب اس کی طرف لپکو اور سبقت کرو اور اس رستے میں اپنا کیریر بناؤ اور آگے بڑھنے کے جتنے خواب و خواہشات ہیں وہ اس رستے میں پورے کرو، جس کی کوئی انتہا نہیں۔ فرائض پورے کر لو تو اس میں احسان کے درجے تک پہنچنے کی کوشش کرو اور پھر نوافل کے ذریعے اپنے رب کا قرب حاصل کرو۔ سبحان اللہ! رب کا عطا کردہ نقشہ ءزندگی تو کچھ اور ہی ہے مگر ہماری زندگی کی گاڑی کس جانب رواں دواں ہے؟ رک کر، ٹھہر کر، اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ الحمد للہ انہوں نے میرے دل سے کامیابی اور ناکامی، کارآمد اور ناکارہ اور اس قسم کی دیگر اصطلاحات کے غلط معانی کھرچ ڈالے اور میری مثبت رہنمائی کی۔ اللہ ان سے راضی ہو، آمین۔

نیز ان کی دی ہوئی تربیت نے مجھ پر یہ بھی واضح کیا کہ عورت اگر اپنے دائرہء کار کی ذمہ داریاں احسن طریقے سے پوری کر رہی ہے اور اپنی نیت میں خالص ہے تو وہ عند اللہ ان شاء اللہ جہاد اور رباط کا اجر پائے گی۔ ایسے ہی جب ایک دن انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ ”آپ یہاں (میدانِ جہاد میں) کس حیثیت سے ہیں؟“ تو میں نے کہا کہ پتا نہیں، شاید ایک مہاجرہ اور بس۔ تو مسکرائے اور کہنے لگے کہ ”صرف مہاجرہ نہیں بلکہ آپ اور ہم سب حالتِ رباط میں ہیں“۔ میں حیران ہوئی کہ آپ تو چلو ہوں گے حالتِ رباط میں مگر میں تو عورت ہوں اور گھر میں رہتی ہوں! تو انہوں نے سمجھایا کہ ”مرابط ایسی جگہ پر پہرہ دینے والے کو کہتے ہیں جہاں وہ دشمن کا خوف رکھتا ہو اور دشمن اس کا خوف رکھتا ہو۔ جس جگہ ہم موجود ہیں یہ فرنٹ لائن (خطِ اوّل) کی حیثیت رکھتی ہے، دشمن ہماری طرف سے چوکنا رہتا ہے اور ہم اس کی طرف سے، لہٰذا ہم سب ہی حالتِ رباط میں ہیں“۔ یہ جان کر مجھے بہت زیادہ خوشی ہوئی اور میرا یہ غم کافی حد تک دھل گیا کہ جہاد میں میرا حصہ کہاں ہے۔ بعد ازاں میری ٹیڑھی سوچ اور فکر کی کسی حد تک اصلاح کے بعد، انہوں نے مجھ ناکارہ سے میری ٹوٹی پھوٹی صلاحیتوں کے مطابق کام بھی لیا اور بعض امور کی انجام دہی میں اپنی معاونت کا کام لے کر بھی میرا حوصلہ بڑھاتے رہے۔

یہ قابلِ اصلاح حقیقت اپنی جگہ ہے کہ جہاد کا جذبہ رکھنے والی خواتین، ہجرت سے قبل سوچتی اور کہتی ہیں کہ ”ہم مجاہدین کی ایسی اور ایسی خدمت کرنا چاہتی ہیں۔ اللہ ہمیں ہجرت کی توفیق دیں تو ہم مجاہدین کا کھانا پکائیں گی، ان کے کپڑے دھوئیں گی اور ان کی خدمت کریں گی“۔ مگر جب اللہ انہیں ہجرت کی توفیق دے دیتا ہے تو انہی مجاہدین کی خدمت انہیں بعض اوقات گراں گزرنے لگتی ہے۔ حالانکہ مجاہدین اور ان کے گھر والوں کا خیال رکھنے کی تو بہت زیادہ فضیلت ہے اور ان خدمات کے ذریعے بھی خواتین جہاد میں اپنا بھرپور حصہ ڈال سکتی ہیں۔

ایک روز وہ مجھے اور پاکستان سے آئے ہوئے ہمارے چند مہمانوں کو دور پہاڑوں پر لے کر گئے۔ وہاں جا کر مہمان تو دوسری سمت چلے گئے جبکہ انہوں نے مجھ سے کلاشن کوف اور مختلف قسم کی پستولوں سے نشانے لگوائے۔ وہ میری زندگی کا ایک بہت ہی خوبصورت دن تھا۔ جیسے کہ میں نے ذکر کیا تھا کہ کلاشن کوف اور پستول سے نشانہ باندھنے کی مشق تو وہ مجھے شروع میں ہی کروا چکے تھے مگر اب تک حقیقی فائرنگ کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ سو اس دن یہ شوق بھی پورا ہوا۔

سن ۲۰۰۷ء کے اوائل میں حالات کافی خراب ہو گئے۔ ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ اب چھاپہ پڑا۔ انصار بھی برابر خطرے میں تھے، بلکہ مہاجرین سے زیادہ خطرہ انہیں تھا کہ ان کے گھر بار، اہل و عیال، کاروبار، اموال، زمینیں سبھی کچھ داؤ پر لگا تھا۔ مجاہدین سے کوئی تعلق فوج کی نگاہوں میں آنے کی دیر تھی کہ ان کا سب کچھ ملیامیٹ کر دیا جاتا۔ ہر آن ہمیں یہ خوف رہتا کہ اس مسلسل دباؤ سے متاثر ہو کر کب ہمارے انصار ہمیں گھر چھوڑ کر جانے کا کہہ دیں۔ ایک روز، جب اسی علاقے میں فوج کے گشت کی خبر پھیلی جہاں ہم اپنے انصار کے ساتھ ان کے گھر میں رہائش پذیر تھے اور ہمارے گھر کے بالکل نزدیک مجاہدین کے ایک مرکز پر چھاپے کا اندیشہ تھا، 'آدے' میرے پاس آئیں۔ میں اس وقت ایک مہاجرہ بہن کے ساتھ تھی کہ 'وہ' تو مجاہدین کے مرکز پہ چھاپے کے خطرے کا سنتے ہی یہ کہہ کر مرکز کی طرف چلے گئے تھے کہ ”اس وقت ساتھیوں کی حفاظت اور حوصلہ افزائی کی خاطر میری وہاں موجودگی ضروری ہے“۔ آدے کی اس وقت آمد سے میرے ذہن میں پہلی بات یہی آئی کہ اب یہ ضرور ہمیں اپنے گھر سے نکل جانے کا کہیں گی۔ مگر انہوں نے آکر ہم سے یہ کہا کہ ”خطرہ بہت ہے، لہٰذا تم لوگ ہمارے ساتھ ہمارے گھر کے وسط میں واقع ہمارے رہائشی کمرے میں آجاؤ“۔ ہم خواتین کے تو منہ کھلے کے کھلے رہ گئے کہ جب خطرہ سر پر پہنچ گیا تو بھی انہیں اپنے بجائے ہماری حفاظت کی فکر ہے اور وہ ہمیں گھر سے نکالنے کی بجائے اپنے گھر کے اندرونی کمروں میں آنے کا کہہ رہی ہیں۔ اس کیفیت کو وہی محسوس

کر سکتا ہے جو خوف کی اس حالت سے گزر چکا ہو۔ ایسے وقت میں جب اس کے بال بچے، گھر، اموال سب کچھ دشمن کی ناک کے نیچے ہوں، صرف اور صرف اللہ کے لیے کسی کو پناہ دینا بہت قوی ایمان مانگتا ہے۔ اللہ ان سے راضی ہو، آمین۔

ان پانچ ماہ کے اختتام پر ہمارے پاس ایک غیر ملکی نوبیاہتا جوڑا آیا، بالکل ویسے ہی جیسے ہم باجی اور بھائی جان کے پاس پہنچے تھے۔ اپنے دو کمروں میں سے ایک کمرہ ان کے حوالے کیا اور یوں مجھے ایک سہیلی اور بہن مل گئی۔ اور پھر تو جیسے تانتا ہی بندھ گیا۔ گھرانوں کے گھرانے ہجرت کر کر کے آنے لگے۔ ایک ماہ بعد ہماری ایک اور بہن اپنے شوہر اور دو بچوں کے ساتھ ہمارے ہی گھر میں تشریف لائیں۔ الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے دل تنگ نہ ہونے دیے۔ فوراً ہی ترتیب طے ہو گئی کہ دو کمرے اور تین گھرانے ہیں، لہٰذا شوہر حضرات باری باری آئیں گے۔ چار ساڑھے چار ماہ انہی باریوں کے ساتھ گزرے اور ایک دن بھی کسی کے دل میں یہ تنگی نہ آئی کہ اس دوسری اور تیسری کی وجہ سے میرا شوہر زیادہ وقت گھر میں نہیں گزار سکتا۔ بہت ہی خوبصورت ایمانی فضا تھی جس میں ہر فرد فقط اپنے ایمان کے لیے فکر مند تھا۔ ایک دوسرے سے محبت، آگے بڑھ کر خدمت کرنے کا جذبہ، ایثار و قربانی میں ہر ایک ہی سبقت لے جانے کی کوشش کرتا۔ اللہ کے لیے محبت، ایثار اور باہمی تعاون کے ساتھ گزارے ان دنوں میں جو محبتیں ہمارے درمیان پروان چڑھیں وہ ہر گزرتے دن کے ساتھ مضبوط تر ہوتی گئیں اور وہ آج بھی اسی آب و تاب کے ساتھ قائم و دائم ہیں الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری محبتوں کو اپنے لیے خالص کر لے، اور اپنی رحمت سے ہمیں اس روز اپنے عرش کے سائے تلے اکٹھا فرمائے، جس روز کوئی اور سایہ میسر نہ ہو گا، آمین۔

ہم خواتین کوشش کرتیں کہ روزانہ ہی مل بیٹھ کر کچھ نہ کچھ پڑھ لیا کریں۔ عموماً ہمارے مطالعے میں تفسیرِ قرآن، حدیث اور حیاۃ الصحابہؓ موجود رہتیں۔ نیز فضائلِ جہاد سے بھی استفادہ کرتے رہتے۔ مقصد صرف یہ تھا کہ ایک مثبت مصروفیت بھی رہے اور نگاہ اپنی منزل سے ہٹنے بھی نہ پائے۔ ہم سب خواتین کو ہی یہ فکر رہتی کہ ایسا نہ ہو کہ شہروں کے گھر تو چھوڑ دیے مگر اب یہاں گھر بسا لیں اور دل لگا لیں اور جس مقصد سے شہروں، گھروں اور گھر والوں کو چھوڑا تھا، اسے بھلا دیں۔

اسی اثنا میں لال مسجد کا اندوہناک واقعہ بھی پیش آیا۔ ان دنوں ہم سب کے کان ریڈیو کی جانب لگے ہوتے تھے اور دل و زبان دعاؤں میں مشغول ہوتے۔ جس روز مولانا عبد الرشید غازی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ کی شہادت کی خبر ملی تو ہم سب کے دل گویا پھٹنے کو تھے اور بعد ازاں مولانا غازی اور دیگر طلباء و طالبات کی شہادتیں غم کا ایک پہاڑ بن کر ہم پہ ٹوٹیں۔ ہم

سب لوگ بار بار اللہ کے حضور یہی کہتے کہ ”یا اللہ! ہم بَری ہیں اس ظلم سے“۔ ان دنوں ’وہ‘ بار بار یہی کہا کرتے تھے کہ ”جب اللہ ہم سے اس بابت سوال کریں گے کہ اس وقت جب تمہارے ملک میں تمہارے ہی بہن بھائیوں کا خون صرف اس ایک بات پر بہایا جارہا تھا کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے! اور اس پر ڈٹ گئے، اور جب انہیں تمہاری مدد و معاونت کی ضرورت تھی تو تم نے ان کے لیے اور اللہ کے دین کے لیے کیا کیا؟ تو ہم اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے؟ “

اسی سال بعض وجوہات کی بنا پر ہمیں پاکستان جانا پڑا۔ اب تک ٹوپی والے برقعے کی اتنی عادت ہوچکی تھی کہ وہی آرام دہ لگتا تھا۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ اکثر مہاجرہ خواتین کو یہی محسوس ہوتا تھا اور ہے کہ اصل پردہ اسی برقعے کے ساتھ ہوتا ہے، جس میں نہ انسان کی ہئیت پتا چلتی ہے نہ عمر۔ اور بقول بھائی جان، یہ برقع دیکھنے میں اس قدر بدنما ہوتا ہے کہ کوئی ایک کے بعد دوسری نظر ڈالنا گوارا بھی نہیں کرتا، اور یہی پردے کا اصل مقصد ہے۔ خیر، پاکستان کے بیشتر علاقوں میں چونکہ ٹوپی والے برقعے کا رواج نہیں ہے لہٰذا ایک انصار کے گھر میں رات گزارنے کے بعد جب ہم اگلے دن مزید آگے سفر کے لیے نکلنے لگے تو میں نے طے شدہ پروگرام کے مطابق شہری برقع یعنی کوٹ اور اسکارف پہن لیا۔ گو کہ اس برقعے میں سے بھی بمشکل میری آنکھیں ہی نظر آرہی تھیں اور ہاتھ وغیرہ سب کچھ چھپا ہوا تھا مگر جیسے ہی میں گھر سے باہر نکلی تو میرے شوہر، جو میرے انتظار میں کھڑے تھے، لپک کر میرے پاس آئے اور کہا کہ ”یہ آپ نے کیا پہن لیا؟“ میں حیران ہوئی تو کہنے لگے کہ ”یہ برقع تو چھپے ہوئے سراپے کو بھی اتنا پرکشش بنا کر دکھاتا ہے کہ برقعے کا مقصد ہی فوت ہوگیا ہے“۔ پھر میں کبھی بھی اس برقعے میں آرام دہ نہیں محسوس کرسکی۔

مارچ ۲۰۰۸ء میں ہمارے مجموعے کے بہت سے بھائی تدریب کرتے ہوئے ڈرون حملے کا نشانہ بنے۔ ان شہادتوں کے بعد ’ان‘ کی ذمہ داریوں میں کئی گنا اضافہ ہوگیا۔ کبھی ان کے اوقات ساتھیوں کی شرعی تربیت میں گزرتے تو کبھی محاذ پر موجود ساتھیوں کی حوصلہ افزائی میں، کبھی طویل نشستیں ان کو مصروف رکھتیں اور کبھی انتظامی امور کی دیکھ بھال۔ ان سب کے باوجود، وہ جب بھی گھر آتے کبھی بھی اپنی پریشانیوں اور مسائل کا بار مجھ پر نہ ڈالتے۔ کتنے بھی تھکے ہوئے کیوں نہ آتے، میرے ساتھ ان کے نرم رویے میں کوئی فرق نہ آتا تھا۔ ہمیشہ مسکرا کر بات کرتے اور مجھے بھی یہی کہا کرتے کہ ”مسکرایا کریں، اس پر بِل نہیں آتا“۔ انہیں حصولِ علم کی طرف بہت رغبت تھی۔ گھر میں موجود ہوتے ہوئے بھی ان کا بیشتر وقت کتابیں پڑھنے میں گزرتا۔ لیکن اس کے باوجود ہرگز خشک مزاج نہیں تھے، بہت ہی بذلہ سنج

طبیعت تھی۔ پڑھتے لکھتے ہوئے بھی وقتاً فوقتاً مجھے مخاطب کرتے رہتے اور کوئی نہ کوئی چٹکلہ چھوڑتے رہتے تاکہ میرا دل لگا رہے۔

انہی دنوں ان کا چھوٹا بھائی عبد الرحمان جو فقط سترہ سال کا تھا اور ان کا بہت لاڈلا اور حافظِ قرآن بھی تھا، زخمی مجاہدین کی خدمت کا جذبہ لیے کچھ عرصے کے لیے آگیا۔ وہ اتنا پیارا اور اتنی اچھی عادتوں والا تھا کہ اس نے بہت جلد مجاہد بھائیوں کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ اور پھر وہ انگور اڈہ محاذ پر چلا گیا۔ اگست کا مہینہ تھا۔ 'وہ' رات گھر پر نہیں تھے۔ میری طبیعت پر بہت بے چینی طاری تھی، لہٰذا میں نے ان کا اور سب بھائیوں کا تصور کر کے حفاظت کی دعائیں کیں اور مطمئن ہو کر سو گئی۔ صبح سویرے فجر کے بعد وہ گھر آئے۔ بہت جلدی میں تھے۔ کہنے لگے کہ "گزشتہ رات خط (محاذ) پر موجود ساتھیوں پر ڈرون حملہ ہوا ہے، کافی ساتھی شہید ہوئے ہیں، اللہ خیر کرے۔ میں وہیں جارہا ہوں"۔ پھر اپنے چھوٹے اور محبوب ترین بھائی کا نام لے کر کہنے لگے کہ " آپ کو پتا ہے کہ وہ بھی وہیں پہ تھا اور اب اس کے بارے میں معلوم نہیں ہو پارہا کہ وہ کہاں ہے"۔ یہ کہہ کر گھر سے نکل گئے۔ چند منٹ کے بعد مسکراتے ہوئے دوبارہ اندر آئے اور برآمدے میں ہی سجدہ ریز ہو گئے۔ سجدے سے اٹھے تو آنکھوں میں آنسوؤں کی چمک اور ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے کہنے لگے کہ " عبد الرحمان کا پتا چل گیا ہے...وہ بھی شہید ہو گیا ہے، الحمد للہ"۔ یہ بتا کر چلے گئے اور غالباً اگلے روز واپس آئے۔

اس ڈرون حملے میں بارہ مجاہدین شہید ہوئے تھے۔ جب تک وہ وہاں پہنچے، دس شہداء کی نمازِ جنازہ تو پڑھی جاچکی تھی البتہ دو شہداء (جن میں سے ایک ان کا حقیقی بھائی تھا) کا جنازہ پڑھنا باقی تھا۔ کہنے لگے کہ "ایک بھائی کا جسد تو تقریباً مکمل تھا البتہ عبد الرحمان کے جسد کے نام پر ایک پوٹلی بندھی رکھی تھی۔ میں نے اس پوٹلی کو کھولنا چاہا تاکہ اپنے شہید بھائی کے بکھرے اعضاء دیکھ سکوں، مگر پوٹلی ہلاتے ہی اس میں سے خون بہہ پڑا اور ساتھیوں نے اسے کھولنے سے منع کر دیا"۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے انہیں پرسکون رکھا اور انہوں نے اُس روز محاذ پر موجود ساتھیوں کو جہاد اور شہادت کی فضیلت پر درس بھی دیا۔ اللہ کے وعدے یقیناً سچے ہیں۔ اللہ نے شہید کے گھر والوں سے سکینت کے جو وعدے کیے ہیں وہ میں نے اس شہادت کے موقع پر کھلی آنکھوں سے ان کے اور ان کے والدین کے حق میں پورے ہوتے دیکھے۔فللہ الحمد۔

غالباً جولائی کی آخری تاریخ تھی، جب رات گئے ہم نے ڈرون حملے کی آواز سنی۔ صبح ہوتے ہی وہ گھر سے یہ کہتے ہوئے نکل گئے کہ "میں خیر خبر لے کر آتا ہوں"۔ چند گھنٹے بعد واپس آئے اور کہا کہ " آپ جلدی تیار ہو جائیں، شیخ ابو

خباب المصری (جو کہ بارود کے استاد تھے اور جہاد فی سبیل اللہ میں اپنی عمر کا بیشتر حصہ لگا چکے تھے اور اب ان کی عمر ساٹھ برس سے اوپر تھی) کے گھر پر ڈرون حملہ ہوا ہے، جس میں وہ خود، ان کا نو عمر بیٹا، داماد، کم سن نواسا اور ایک اور عرب بھائی (جو عالم دین تھے اور جنہوں نے مجاہدین کے بچوں کی تعلیم و تربیت کا بیڑا اٹھایا ہوا تھا) شہید ہو گئے ہیں، جب کہ شیخ کی اہلیہ شدید زخمی ہیں"۔ جب میں ہسپتال پہنچی تو شیخ کی اہلیہ کا آپریشن ہو چکا تھا اور وہ بے ہوشی کی حالت میں تھیں۔ اس وقت وہاں موجود ڈاکٹر بہن نے بتایا کہ آپریشن سے قبل بے ہوشی کی حالت میں بھی وہ مستقل حسبنا اللہ ونعم الوکیل کا ورد کر رہی تھیں۔ میں نے تقریباً تین دن شیخ کی اہلیہ کے پاس گزارے۔ وہ بہت صابرہ اور باہمت خاتون تھیں۔ بار بار اپنے شوہر، بیٹوں اور گھر والوں سے متعلق استفسار کرتیں مگر ہم انہیں نہ بتاتے۔ ان کا بایاں بازو دو یا تین جگہ سے فریکچر ہوا تھا اور کہنی سے نیچے بازو کے بڑے حصے کا گوشت اڑ چکا تھا اور ہڈی نظر آ رہی تھی۔ جسم پر جابجا میزائیل کے پارچے لگے تھے، جن کی وجہ سے ان کے سینے سے لے کر پیٹ تک کافی بڑے حصے کا آپریشن کیا گیا تھا۔

اگلے دن جب ہسپتال کا عملہ ان کے زخم کی مرہم پٹی کرنے آیا تو میں نے باجی (شیخ کی اہلیہ) کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا، تاکہ انہیں ڈھارس رہے، اور انصار کی ایک خاتون ان کے سرہانے کھڑی ان کا سر سہلانے اور انہیں پنکھا جھلنے لگیں۔ عملے نے پہلے ان کے بازو کے کھلے زخم پر جراثیم کش دوا ڈالی جس سے باجی کے زخم سے جھاگ سی نکلنے لگی اور انہیں شدید تکلیف ہوئی۔ ان کی تکلیف کا اندازہ مجھے اس بات سے بھی ہوا کہ میرے ہاتھ پر ان کی گرفت اتنی مضبوط ہو گئی کہ مجھے شدید تکلیف محسوس ہونے لگی اور باجی کا پورا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا، مگر اس اللہ کی بندی کے منہ سے اف تک نہ نکلی۔ اس پورے عمل کے دوران، تکلیف کی اس شدت میں بھی مستقل ان کی زبان پر لا إله إلا الله اور حسبنا الله ونعم الوكيل کا ورد جاری رہا۔ اللہ ان سے راضی ہو۔

اگلے دن شیخ کی اہلیہ نے ہمیں بتایا کہ "ڈرون نے رات گئے حملہ کیا، جب ہم سب لوگ اپنے گھر کے صحن میں سو رہے تھے۔ صحن کے ایک طرف مرد حضرات تھے اور دوسری جانب خواتین تھیں۔ میری آنکھ کھلی تو میں نے ایک شعلے کو اپنی جانب لپکتے پایا۔ میرے ساتھ میری کم سن نواسی سو رہی تھی۔ میں نے فوراً بچی کو خود سے دور کیا (تاکہ وہ زخمی نہ ہو جائے) اور خود زخمی حالت میں اٹھ کر گھر کے اندر کی جانب بھاگی، جہاں میں نے بیت المال کی امانتیں سنبھال رکھی تھیں۔ مجھے یہ فکر تھی کہ فوراً ہی لوگ آ جائیں گے اور افراتفری میں کہیں بیت المال کی امانتیں گم نہ ہو جائیں، سو میں انہیں پہلے سنبھال لوں" سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم۔

حالات روز بروز خراب ہوتے جارہے تھے۔ فوجی آپریشن کا خطرہ سر پر کھڑا تھا۔ 'ان' کے کاموں کی مصروفیت مزید بڑھ گئی تھی۔ انہی دنوں انہوں نے مجھے بتایا کہ ''مجاہدین نے فوج کے ایک کیمپ پر بہت بڑی کارروائی کی تیاری کی ہے، مجھ سمیت بہت سے مجاہدین اس کارروائی میں حصہ لے رہے ہیں، شہادت کا بہت سا امکان موجود ہے کہ کیمپ کے اندر گھسنا ہے، سو میرے لیے شہادت کی دعا کیجیے گا''۔ جب ہماری شادی کے بعد پہلی مرتبہ وہ ایک کارروائی پر گئے تو جاتے ہوئے شہادت کی دعا کے لیے کہا۔ ان کے جانے کے بعد میں نے خوب رو رو کر اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے شہادت کی دعا مانگی۔ تھوڑی دیر کے بعد شیطان نے پھسلایا اور دل میں خیال آیا کہ ''اللہ جی! اتنی جلدی نہیں''، اور پھر پہلے سے زیادہ رو رو کر یہ دعا مانگی کہ ''یا اللہ! ابھی نہیں''۔ اس کے بعد توبہ کی کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کروں گی اور الحمد للہ پھر اللہ تعالیٰ نے دل مضبوط کر دیا۔ سو اس مرتبہ جب دوپہر سے کچھ قبل گھر سے جاتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ ''رات تقریباً ایک ڈیڑھ بجے کارروائی شروع ہونی ہے، مجاہدین کی کامیابی اور میری شہادت کے لیے دعا کیجیے گا''، تو دل قرار سے رہا۔ عشاء کے بعد میں نے سب کے لیے دعائیں کیں اور سو گئی۔ جب دوبارہ آنکھ کھلی تو ایک بجنے میں چند منٹ باقی تھے۔ میں انتظار کرتی رہی۔ کچھ ہی دیر بعد بہت دور سے دھماکوں اور فائرنگ کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ میں سمجھ گئی کہ کارروائی مقررہ وقت پر شروع ہو گئی ہے، سو میں نے پھر ان کے لیے اور سب بھائیوں کے لیے دعائیں کیں اور دوبارہ سو گئی۔

صبح فجر کے بعد صحن میں نکلی تو آدے کے صحن سے ان کی اور ان کے بیٹے کی با آواز بلند سرگوشیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں نے سنا کہ آدے کا بیٹا کسی کے بارے میں کہہ رہا ہے کہ ''وہ تو شیروں کی طرح لڑا...''، اور اسی طرح کی کچھ باتیں اور بھی کیں جن سے مجھے لگا کہ یہ میرے شوہر کی شجاعت کے بارے میں بات ہو رہی ہے۔ میرے کان تو کھڑے ہوئے مگر میں خاموشی سے اپنے ذکر اذکار اور معمول کے کاموں میں لگ گئی۔ بعد میں مجھے علم ہوا کہ آدے کا یہ بیٹا بھی اس کارروائی میں شریک تھا۔ ایک مقامی قبائلی فرد کی زبان سے (جن میں خود بھی عموماً شجاعت کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے) اپنے شوہر کی شجاعت کا تذکرہ سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی اس صفت سے اپنے اس پیارے بندے کو بھی حصہ عطا کیا ہے۔ کچھ دیر بعد آدے میرے پاس آئیں اور مجھ سے 'ان' کے اور میرے والدین اور بہن بھائیوں وغیرہ کے متعلق پوچھنے لگیں۔ میں نے ذرا حیران ہوتے ہوئے پوچھا: ''آدے! خیریت ہے؟ اِن کی کوئی خیر خبر؟ ''تو کہنے لگیں کہ ہاں! خیریت ہے اور ان کے بارے میں کہا کہ وہ آ جائے گا۔ کچھ دیر کے بعد آدے دوبارہ آئیں

اور کہنے لگیں کہ "تمہارے شوہر کا کوئی جوڑا ہے تو دے دو"۔ اب تو میرے اندیشے یقین میں بدلنے لگے۔ آدے سے بہت پوچھا کہ جوڑا کیوں چاہیے کہ وہ تو اپنے کپڑے ہمیشہ ساتھ لے کر جاتے ہیں! مگر آدے نے میری کسی بات کا جواب نہ دیا اور بس یہ کہا کہ "تم کپڑے دے دو"۔ سو میں نے اپنے پاس موجود ان کا واحد جوڑا دے دیا۔

مغرب کی اذان ہوئی تو میں وضو کر کے نماز کے لیے کھڑی ہوئی ہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ اپنے شوہر کی دستک پہچانتے ہوئے میں نے کہا کہ آ جائیں، دروازہ کھلا ہے۔ انہوں نے دروازہ دھکیلا اور جب ان سے نہ کھلا تو میں نے بھاگ کر دروازہ کھولا۔ جب انہوں نے اندر داخل ہونے کے لیے قدم بڑھایا اور ذرا سہارا لیا تو میں نے مسکرا کر پوچھا کہ "زخمی ہو گئے ہیں کیا؟" تو ہنس کر کہنے لگے کہ "ہاں! اندر تو آنے دیں"۔ میں نے قبولیت کی دعا دی اور تفصیل پوچھی تو کہنے لگے کہ "پہلے میں نماز پڑھ لوں"۔ اتنے میں آدے، بابا اور ان کا بیٹا اجازت لے کر اندر آئے اور میں کمرے کے اندر چلی گئی۔ آدے آ کر پوچھنے لگیں کہ "کیا تمہیں اندازہ ہو گیا تھا"؟ میں نے کہا کہ "اندازہ تو ہو گیا تھا مگر آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں"؟ تو وہ کہنے لگیں کہ "مجھے تو صبح سے ہی معلوم تھا مگر میرے اندر تمہیں بتانے کا حوصلہ نہ تھا"۔

انصار کے جاتے ہی انہوں نے مجھ سے کہا کہ "آپ کے پاس آدھا گھنٹہ ہے تیاری کے لیے۔ سارا سامان سمیٹ لیں اور خود بھی تیار ہو جائیں۔ ہمیں اسی وقت اس گھر سے نکلنا ہے کیونکہ مخابرے (وائرلیس) پر میرے زخمی ہونے کی خبر چل گئی ہے"۔ الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے ہمت دی اور اس قلیل وقت میں میں نے نماز پڑھ کر کھانا کھایا اور سامان (جو ہمیشہ مسافروں والا ہی رکھنے کی کوشش کی، جس کی سمٹائی اور منتقلی سب آسان ہو) بھی سمیٹ لیا۔ وہ اتنی دیر باہر برآمدے میں اپنے ایک ذمہ دار ساتھی کے ساتھ آئندہ کا لائحہ عمل طے کرتے رہے۔ اس وقت شیطان نے مجھے بہت ستایا کہ اگر فوجی آپریشن شروع ہو گیا اور ہمیں اس سرزمین سے اور ایک دوسرے سے دور ہونا پڑا تو کیا ہو گا؟ لیکن پیارے رب نے مجھے شیطان کی چال سے محفوظ رکھا اور میرا دل مضبوط کر دیا۔

بعد میں انہوں نے مجھے بتایا کہ کیمپ پر کارروائی کے دوران وہ ان لوگوں میں شامل تھے جو کیمپ کے اندر داخل ہو کر ایک چوکی پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے اور وہیں نزدیک گرنیڈ پھٹنے سے وہ زخمی ہوئے اور خون کافی تیزی سے بہنے لگا تو وہ واپس نکلے (کہ خون زیادہ بہہ جانے کی صورت میں واپس نکلنا مشکل ہوتا)۔ مجاہدین اپنی گاڑیاں تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر دور چھوڑ کر پیدل کیمپ تک آئے تھے۔ اب دشمن کی پوسٹوں سے بچتے بچاتے اتنا ہی رستہ واپس پیدل چل کر بھی جانا تھا۔ اس دوران خون مزید تیزی سے بہنے لگا، لہٰذا اسے روکنے کے لیے اپنی قمیض اتار کر زخم پر کس کے باندھ دی

(چند دن بعد انہوں نے وہ کپڑے مجھے لا کر دیے۔ وہ لباس مکمل طور پر خون میں رنگا ہوا تھا اور بمشکل کہیں سے اس کا اصل رنگ جھلکتا تھا)۔ ہسپتال پہنچنے پر تمام زخمی ساتھیوں کی مرہم پٹی کروانے کے بعد سب سے آخر میں انہوں نے اپنی پٹی کروائی، اللّٰھم تقبل منه۔ چند روز ہی گھر میں ٹھہرے (کہ ڈاکٹر نے مکمل آرام کا مشورہ دیا تھا) اور اس عرصے میں بھی مسلسل ساتھیوں سے نشستیں جاری رہیں اور پھر اسی لنگڑاتی ٹانگ کے ساتھ، لاٹھی کے سہارے اپنے جہادی کاموں پر روانہ ہوگئے کہ حالات آرام کی اجازت نہ دیتے تھے۔

فوجی آپریشن کے خطرات کے پیشِ نظر تقریباً تمام مہاجر گھرانوں کو اس علاقے سے نکال دیا گیا تھا۔ صرف میں اور ایک شہید کا خاندان باقی رہ گیا تھا۔ عصر کے قریب ہماری عارضی رہائش گاہ سے بہت ہی قریب ڈرون میزائیل لگنے کی زوردار آواز آئی۔ اگلے روز 'وہ' آئے اور بتایا کہ "اس حملے میں میرے ایک بہت ہی محبوب دوست اور عالم مولانا سعید اللہ شدید زخمی (جو تقریباً دو ہفتے بعد زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہوگئے۔ تقبله الله) اور اُن کے بھائی اور دو مزید ساتھی شہید ہوگئے ہیں"۔ نیز یہ بھی بتایا کہ "آپ دونوں گھرانوں کی روانگی کا فیصلہ بھی ہوگیا ہے"۔ اگلے ہی دن جب غالباً شعبان کی انتّیس تاریخ تھی اور ہم خواتین روانگی کے لیے تیار تھیں کہ وہ ملنے کے لیے آئے اور کھڑے کھڑے چند نصیحتیں کر کے چلے گئے۔ میرا دل بہت بوجھل تھا۔ محبوب شوہر کو اس حالت میں چھوڑ کر میں کہیں بھی نہیں جانا چاہتی تھی۔ پھر ایسی حالت میں سرزمینِ ہجرت و جہاد سے دوری بالکل گوارا نہ تھی کہ جب شہادت ملنے کے امکانات قوی ہوں (فوجی آپریشن کی صورت میں۔ ہم میں سے ہر ایک شہادت کا خواہاں تھا اور ان حالات میں کہیں اور نہیں جانا چاہتا تھا) اور اس سرزمین پر واپسی کا یقین بھی نہ ہو۔ سارا رستہ آنسوؤں کے بیچ گزرا۔ ایسے تمام اوقات میں جنت کی یہ صفت ہمیشہ یاد آتی رہی کہ اہلِ جنت اپنے ٹھکانوں سے کبھی نہ نکالے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں جنت الفردوس کے بیچوں بیچ گھر عطا فرمائے، آمین۔ کچھ عرصے کے بعد جب حالات ذرا بہتر ہوئے تو میری اور دیگر مجاہد گھرانوں کی واپسی ہوئی۔ اور اس کے کچھ عرصہ بعد ہم محسود اور بعد ازاں شمالی وزیرستان منتقل ہوگئے۔

طبعاً ان کو زہد سے بہت رغبت تھی۔ اکثر علماء و مشائخ سے اس بارے میں پوچھتے رہتے تھے۔ اچھا کھانے پینے کا بہت شوق تھا مگر ہمیشہ اس پر بند باندھے رکھتے اور مجھے بھی ہمیشہ یہی کہتے تھے کہ "آپ گھر کا جو سودا روٹین میں منگواتی ہیں اس سے اضافی کوئی چیز نہ منگوائیں، اسی میں جو کچھ بن سکتا ہے بنا لیا کریں"۔ کبھی کسی اور کے گھر سے کوئی اچھی چیز کھا کر آتے اور ذکر کر دیتے تو میں کہتی کہ "مجھے تو آپ بنانے نہیں دیتے، جبکہ آپ کو پسند ہے" تو کہتے کہ "میں جس چیز کی بھی

تعریف کروں گا وہ آپ بنانے بیٹھ جائیں گی؟ اپنا وقت، قوت، صلاحیتیں اور دماغ اس سے بہتر کاموں، یعنی حصولِ علم میں صرف کریں"۔ البتہ مہمانوں کی خاطر مدارات اپنی استطاعت کے مطابق کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ہمارے پاس شیخ ابو یحییٰ اللیبی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ 'اِنہوں' نے اُن سے زہد سے متعلق مفصل گفتگو کی۔ کچھ دیر بعد کمرے میں آئے تو میں نے مہمان کے لیے کیک بنا کر رکھا ہوا تھا، لے کر گئے تو شیخ ابو یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ چھیڑتے ہوئے کہنے لگے: "فأين الزهد"؟ "زہد کہاں گیا؟" تو وہ ہنسے اور جواب دیا کہ "یہ تو مہمان کے اکرام کے لیے ہے نا"۔ اسی طرح نہ تو وہ اپنے پاس زیادہ کپڑے رکھتے تھے اور نہ ہی مجھے اس کی اجازت دیتے تھے۔ شادی کے ابتدائی عرصے میں تو میری تربیت کے لیے ہر چند ماہ بعد میرے سامان کا جائزہ لیتے اور اضافی چیزیں نکال دینے کی تحریض دیتے۔ ان کی تربیت ہی کا اثر تھا کہ جلد ہی یہ بات میری سمجھ میں آ گئی کہ ہجرت و جہاد کی زندگی میں جب کہ سفر ہی اوڑھنا بچھونا ہو، کم سے کم سامان ہی اپنی اور نقل و حمل کے ذمہ دار مجاہد بھائیوں کی سہولت کا باعث ہوتا ہے۔

زہد کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو تواضع اور عاجزی سے بھی نوازا تھا۔ ان کی آواز اور انداز میں فطرتاً بھی نرمی اور دھیما پن تھا اور کسی بڑے سے بات کرتے ہوئے تو آواز مزید نیچی ہو جاتی۔ ایک مرتبہ مجھے کوئی تحریر لکھنے کا کہا۔ میں نے لکھ کر دکھائی تو اصلاح کرتے ہوئے کہنے لگے کہ "تحریر کا انداز یہ نہیں ہونا چاہیے کہ آپ لکھ کر پڑھنے والے پر احسان کر رہی ہیں"، بلکہ تحریر میں بھی عاجزی اور تواضع ہونی چاہیے۔

میری گفتگو میں موجود بے سوچے سمجھے جملوں پر بھی فوراً پکڑتے۔ مثلاً ایک مرتبہ میں نے ان سے باتیں کرتے ہوئے کسی بات پر بلا ارادہ کہہ دیا کہ "اللہ آپ سے پوچھے"۔ فوراً سنجیدہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ "فوراً اپنے الفاظ واپس لیں"، میں نے کہا کہ " آپ جانتے ہیں کہ میں نے یہ ان معنوں میں نہیں کہا"، مگر وہ مصر رہے کہ "یہ تو آپ نے مجھے بد دعا دی ہے کیونکہ جس سے اللہ نے پوچھا، یعنی حساب لیا، وہ تو مارا گیا، لہٰذا آپ فوراً اپنے الفاظ واپس لیں"۔ اسی طرح کسی بہن نے دورانِ حج دیکھے جانے والے اپنے ایک خواب کا تذکرہ کیا کہ جب شدید بھوک، پیاس اور تھکاوٹ کی حالت میں اس کی آنکھ لگ گئی تو خواب میں اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کہ اسے کوئی پھل کھلایا گیا ہے اور بیدار ہونے کے بعد بھوک اور پیاس کی کیفیت باقی نہ تھی۔ یہ خواب میں نے ان سے بیان کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ اللہ نے اس بہن کو جنت کا پھل کھلایا۔ فوراً مجھے ٹوکا کہ "یوں نہیں! بلکہ یہ کہ اسے خواب میں ایسا محسوس ہوا جیسے اسے جنت کا پھل کھلایا گیا ہو"۔

ایک مرتبہ کسی نے مجاہدین کے چند خوشحال گھرانوں سے متعلق کچھ بات کی۔ میں نے 'ان' سے اس بابت دریافت کیا تو بہت ناراض ہوئے اور کہنے لگے کہ "کبھی بھی کسی کے گھر میں موجود سامان، اس کے سودے سلف میں موجود اضافی چیزوں (جو دیگر مجاہدین کے گھروں میں عموماً نہیں آتی ہیں)، اس کے معیارِ زندگی، لباس، تراش خراش وغیرہ کو اس کے تقوی کا معیار نہ بنائیں۔ ہر شخص جو ہجرت کرکے آیا ہے وہ یقیناً اپنی دنیا و سامانِ دنیا کی کچھ نہ کچھ قربانی دے کر ہی آیا ہے۔ آپ کو کیا معلوم کہ جس معیارِ زندگی پر وہ اب رہ رہا ہے، اس سے قبل وہ کس معیارِ زندگی کا عادی تھا؟ اور اس نے کیا کچھ اللہ کی راہ میں قربان کیا ہے؟ نیز یہ کہ اپنے اوپر اپنا مال خرچ کرنا حرام تو نہیں ہے۔ اور پھر آپ یہ بھی نہیں جانتی ہیں کہ جہاد کی مضبوطی میں اس شخص کا مال کتنا اہم کردار ادا کرتا ہے۔ سو نہ خود کسی کے مال کو اس کے تقوی کا معیار بنائیں اور نہ کسی اور کو بنانے دیں"۔

اسی طرح ایک مرتبہ ہم رمضان المبارک میں کسی کے گھر گئے ہوئے تھے۔ 'وہ' وہاں نزدیک ہی ایک مرکز میں دورۂ شرعیہ کروا رہے تھے اور رات عشاء و تراویح کے بعد ہی گھر آتے تھے۔ ایک روز اس گھر کی خاتون نے مجھ سے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا تذکرہ کیا اور یہ کہا کہ خواب میں رسول اللہ ﷺ نے لہسن پیاز کے استعمال سے متعلق کوئی حکم دیا ہے۔ وہ گھر آئے تو میں نے ان سے اس بات کا تذکرہ کرکے کہا کہ "اس حکم پر تو ہمیں بھی عمل کرنا چاہیے"۔ چند لمحوں کے لیے وہ خاموش ہو گئے اور پھر کہا کہ "جب کسی کو خواب میں رسول اللہ ﷺم کی زیارت ہو تو اول تو یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ جس ہستی کو خواب دیکھنے والے نے رسول اللہ ﷺ سمجھا ہے، آیا وہ وہی ہیں یا دیکھنے والے نے یہ سمجھا ہے (کیونکہ شیطان خواب میں رسول اللہ ﷺ کی شکل میں تو نہیں آسکتا مگر کسی اور شکل میں تو آسکتا ہے کہ دیکھنے والا اس صورت کو رسول اللہ ﷺ کی صورت سمجھے)۔ پھر اگر یہ یقینی معلوم ہو جائے کہ اس شخص کو خواب میں رسول اللہ ﷺ ہی کی زیارت ہوئی ہے اور آپ ﷺ نے کسی متعلق کوئی حکم فرمایا ہے تو اس حکم کو شریعت کے احکام پر پرکھ کر دیکھیں۔ اگر وہ حکم شریعت میں موجود ہے تو مزید اہتمام کے ساتھ اس پر کاربند ہو جائیں (مثلاً صدقہ، صلہ رحمی وغیرہ)، لیکن اگر وہ شریعت میں موجود نہیں ہے تو اس پر عمل نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت مکمل کر دی ہے اور اسے انفرادی خوابوں کے سپرد نہیں کیا، بلکہ رسول اللہ ﷺ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مکمل شریعت، قرآن و سنت امت کو تاقیامت عطا کیے ہیں۔ اب اس شریعت میں کوئی نیا اضافہ نہیں ہو سکتا"۔

چونکہ بات رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے ہو رہی ہے تو ضمناً یہ بھی ذکر کرتی چلوں کہ ایک مرتبہ وہ بتانے لگے کہ ہمارے استاد نے ہم سے کہا کہ امتحانی پرچوں میں بھی (جب کہ وقت محدود ہوتا ہے) ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے نام کے ساتھ مکمل درود لکھو اور اس کا مخفف نہ لکھو (حالانکہ بعض مضامین میں رسول اللہ ﷺ کا نام بارہا آتا ہے) اور تم اس کی برکت اپنے وقت میں بھی دیکھو گے۔

ایک اور صفت جس کا مشاہدہ میں نے 'ان' کے اخلاق میں ہمیشہ پایا، صفائے قلبی تھی۔ ذمہ داریوں کے بوجھ تلے، مسائل اور پریشانیوں کے انبار میں بعض مرتبہ کسی ساتھی کے رویے سے شاکی ہو کر اس کا تذکرہ کر بھی دیتے تو کچھ ہی دیر بعد میں دیکھتی کہ ان کا دل و ذہن اس منفی بات سے مکمل طور پر ہٹ کر اپنے کام کی طرف مبذول ہو چکا ہے۔ اور پھر اکثر یہ ہوتا کہ کچھ ہی دن بعد اسی بھائی کا تذکرہ اتنی محبت سے ہوتا کہ میں حیران رہ جاتی۔ وہ ویسے بھی اپنے ساتھیوں سے بہت محبت کرتے تھے اور اکثر ساتھیوں کا ذکرِ خیر ہی کرتے۔

میں نے ان کے اندر شروع ہی سے مجاہدین کے مابین وحدت کی تڑپ اور فکر دیکھی تھی۔ اور میں اس سلسلے میں کی جانے والی کوششوں سے بھی کسی حد تک واقف تھی۔ اسی بات کا تذکرہ انہوں نے شیخ مصطفیٰ ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اپنی ایک تحریر میں بھی کیا ہے اور ساتھ ہی شیخ کے ایک خواب کا بھی تذکرہ کیا ہے جس کا ذکر شیخ نے خود 'ان' سے کیا کہ "میں نے تمہیں خواب میں دیکھا کہ تم میرے پاس بیٹھے مجاہدین کے درمیان وحدت کی کمی پہ غم کا اظہار کر رہے ہو اور بات کرتے کرتے زار و قطار رونے لگے ہو، یہ کہہ کر شیخ مسکرانے لگے اور دعا دی کہ اللہ تمہاری تڑپ سچی کر دیں اور اسے قبول کر لیں"۔

مجاہدین کے متفرق مجموعات کے مابین وحدت ایک طویل اور کٹھن سفر تھا جو ہر ایک سے ہی بھرپور اخلاص، ایثار اور قربانی کا مطالبہ کرتا تھا۔ جب یہ سفر جماعت "القاعدہ برصغیر" کے قیام کی منزل تک پہنچا تو میں اس حوالے سے 'ان' کی سپردگی، خلوص، ایثار، قربانی اور احساسِ ذمہ داری دیکھ کر حیران رہ گئی۔ یقیناً یہ مرحلہ ان کے لیے آسان نہ تھا۔ مگر میں نے ان دنوں ان کے اندر جو خوشی، سرشاری اور مکمل طور پر سپردگی کی کیفیت دیکھی وہ یقیناً ان کے اخلاص اور صفائے قلبی کی آئینہ دار تھی (نحسبه كذلك والله حسيبه ولا نزكي على الله أحدا)۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلے میں کی گئی تمام کوششیں ان سے اور دیگر بھائیوں سے قبول فرمائے اور جماعت کے اس قیام کو ان کے لیے اور امت کے لیے نافع بنا دے، آمین۔

گزرتے وقت کے ساتھ حالات کبھی اوپر کبھی نیچے ہوتے رہے۔ حالات زیادہ خراب ہوتے تو مجاہد گھرانوں کو اِدھر اُدھر محفوظ مقامات پر پہنچانے کی کوشش کی جاتی اور حالات بہتر ہونے پر واپس بلوا لیا جاتا۔ ایسے ہر موقع پر تقریباً ہر مہاجرہ خاتون کے دل کا ایک ہی حال ہوتا تھا کہ میدانِ ہجرت و جہاد میں رہ کر شہید ہونا ہے مگر یہاں سے جانا نہیں ہے۔ اپریل ۲۰۱۴ء میں مجھے بوجوہ پاکستان جانے کی ضرورت پیش آئی۔ میرے شوہر امنیتی وجوہات کی بناء پر مجھے بھجوانا نہیں چاہتے تھے مگر پھر جون میں دس دن کے لیے بھیج دیا۔ ابھی میں پہنچی ہی تھی کہ فوج نے وزیرستان میں آپریشن شروع کر دیا۔ میں بہت پریشان ہوئی کہ اب میں واپس کیسے جاؤں گی۔ بہر حال دس کی بجائے بیس دن کے بعد میرا بلاوا آگیا اور میں وانا آگئی۔ چند روز وانا گزار کر میں شاول آگئی جہاں دیگر کئی مجاہد گھرانے بھی موجود تھے۔ میرے شوہر کا کوئی اتا پتا نہیں تھا۔ بالآخر چند روز بعد ان کا ایک خط موصول ہوا جس میں میری واپسی پر خوشی اور شکر کا اظہار کیا ہوا تھا اور ساتھ یہ بھی کہ ملاقات تو مشکل لگتی ہے۔

رمضان المبارک شروع ہو چکا تھا۔ ایک گھر میں ہم کافی ساری خواتین اور بچے موجود تھے اور گھر کے دوسرے حصے میں مرد حضرات تھے۔ غالباً ساتواں روزہ تھا کہ دوپہر سے کچھ پہلے میری دو بہت ہی پیاری بہنیں بھاگتی ہوئی آئیں اور ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش میں دونوں خوشی سے بھرپور لہجے میں گویا ہوئیں کہ "باجی! بھائی آگئے ہیں"۔ الحمدللہ مجاہدین اور مجاہدات ایک دوسرے کی خوشیوں میں خوش اور ایک دوسرے کے دکھ پر دکھی ہوتے ہیں۔ ایمان کے رشتے خون کے رشتوں سے بھی بعض اوقات سبقت لے جاتے ہیں۔ 'ان' سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ "اگلے کسی حکم تک میں یہیں ہوں"۔ جس روز وہ پہنچے اسی رات، سحری کے لیے دو بجے کا الارم لگا کر ہم سوئے ہوئے تھے کہ زوردار دھماکے کی آواز کے ساتھ پہلے ان کی اور ساتھ ہی میری آنکھ کھلی اور ساتھ ہی الارم بجا، یعنی پورے دو بجے تھے۔ انہوں نے فوراً کہا کہ پاکستانی جیٹ طیارے بمباری کر رہے ہیں، خواتین اور بچوں کو جلدی سرنگ نما خندق میں لے جائیں۔ ساتھ ہی بھائیوں کو ہدایت دی کہ گھر سے باہر نکل کر درختوں وغیرہ کے نیچے بکھر جائیں۔ اس خندق میں دو کشادہ کمرے تھے جس میں تمام خواتین اور بچے سما گئے اور ایک بالکل چھوٹا سا راہداری نما کمرہ تھا، جس میں ہم دونوں نے جگہ بنالی۔ انہوں نے ہدایات دیں کہ "سحری تو سب لوگ آج اور آئندہ بھی خندق ہی میں کریں گے، (چاہے رات کو بنا کر رکھیں اور صبح ٹھنڈا کھانا کھائیں) اور فجر پڑھ کر اوپر جائیں گے۔ جبکہ شام میں افطاری کے فوراً بعد خندق میں چلے جائیں

گے اور نمازِ مغرب اور عشاء خندق ہی میں پڑھی جائیں گی"۔ اس اصول پر عمل چند بزرگ خواتین اور ننھے بچوں کی ماؤں کے لیے بہت مشکل تھا، مگر الحمد للہ سب نے پوری طرح اس پر عمل کیا، اللہ سب کو ہی بہترین جزاء عطا فرمائے، آمین۔

صبح معلوم ہوا کہ پاکستانی فوج نے رات سات جگہ بمباری کی ہے۔ شہید اور زخمی ہونے والوں میں مرد حضرات کم اور خواتین اور بچوں کی تعداد زیادہ تھی۔ ملبہ ہٹانے والے بھائیوں کو ایک جگہ سے ملبہ ہٹاتے ہوئے بہت خوشبو آئی، بھائیوں نے جلدی جلدی ملبہ ہٹایا کہ یہ خوشبو تو شہداء کی خاص ہے تو ایک خاتون کا جسد بر آمد ہوا۔ یہ خاتون پولینڈ سے تعلق رکھنے والی نو مسلمہ تھیں۔ قرآن پاک حفظ کر رہی تھیں اور حفظ مکمل ہونے میں صرف چند صفحات ہی باقی تھے۔ اللہ پاک نے انہیں شہادت کے مرتبے سے نوازا (نحسبها كذلك)۔ اسی طرح ہمارے ایک اور بہت پیارے بھائی اور ان کی دو کم سن بیٹیاں اس بمباری میں شہید ہوئیں، جبکہ اہلیہ زخمی ہو گئیں۔ ایک بچی سات سال کی اور دوسری تقریباً نو سال کی تھی۔ چھوٹی بچی کو اس کے والد نے قرآن پاک کے آخری تین پارے حفظ کروا رکھے تھے اور ان کی کتابت بھی سکھائی تھی۔ اس بچی کا حفظ اور کتابت اتنی پختہ تھی کہ وہ اس میں بالکل غلطی نہ کرتی تھی۔ اسی طرح کئی دیگر مجاہدین بھی شہید اور زخمی ہوئے۔

اس حملے میں اللہ پاک کی رحمت بھی کچھ اس طرح سامنے آئی کہ حملے کی زد میں آنے والے گھروں میں سے ایک گھر میں بیت المال کی امانتیں بڑی تعداد میں موجود تھیں۔ ذمہ دار بھائیوں کو اس کی فکر تھی کہ جن افراد کے حوالے وہ امانتیں کی گئی تھیں وہ تو شہید ہو گئے ہیں، اب ملبے کے ڈھیر میں سے ان امانتوں کو کہاں اور کیسے تلاش کریں؟ تلاش کی ذمہ داری پر متعین بھائی ملبے سے نکلنے والی ہر ایسی چیز کا بغور جائزہ لیتے جس پر انہیں گمان ہو تا کہ شاید امانتیں اس کے اندر ہوں۔ مگر کئی گھنٹے گزرنے کے بعد بھی جب انہیں کامیابی نہ ہوئی تو وہ ملبے کے ڈھیر پر ہی مضمحل سے بیٹھ گئے۔ ان سے کچھ فاصلے پر امدادی کام کرنے والے بھائی ملبہ ہٹا رہے تھے اور ملبے میں دبا سامان باہر نکال نکال کر رکھ رہے تھے۔ انہوں نے جب مٹی سے اٹا مزید کچھ سامان باہر نکال کر رکھا تو تلاش کے ذمہ دار بھائی مایوسی سے اس سامان کی طرف بھی بڑھے، گو کہ انہیں یقین تھا کہ اس میں تو امانتیں نہیں ہو سکتیں۔ مگر جیسے ہی انہوں نے پہلی تھیلی کھولی اسی میں سے امانتیں بر آمد ہو گئیں۔ یہ اللہ پاک کی خاص الخاص رحمت ہی تھی کہ اللہ نے ان امانتوں کی حفاظت کی ورنہ ان کی تلاش انسانی اختیار میں بالکل نہ تھی۔ بیت المال کے اموال کی ترسیل سے متعلق ایک فرد نے ذکر کیا کہ "ذاتی مال سے کہیں زیادہ بیت المال کے مال کی فکر ہوتی ہے کہ یہ امت کی امانت ہے۔ سو اس کی حفاظت کے لیے بقدرِ استطاعت اہتمام اور

دعائیں کرنے کے بعد اسے اللہ ہی کے سپرد کر دیا جاتا ہے کہ اے اللہ! یہ تیرا مال ہے اور اس کی حفاظت بھی تیرے ہی ذمے ہے"۔ اور اللہ پاک سے بڑھ کر امانت کی حفاظت کرنے والا اور کوئی نہیں۔

اس بمباری سے قبل شاول نسبتاً محفوظ علاقہ گردانا جا رہا تھا، مگر اس بمباری کے فوراً بعد فیصلہ ہوا کہ یہاں موجود مجاہد گھرانوں کو بھی دور پار علاقوں میں بھیج دیا جائے۔ ہم سب خواتین پر ہی یہ خبر بہت بھاری تھی کہ ہم سب کو یہاں سے جانا پڑے گا۔ تمام خواتین خندق میں تھیں جب میں نے ان کو جا کر بتایا کہ ہم سب کی روانگی کا فیصلہ ہو گیا ہے۔ لمحے بھر کو سب ہی خاموش ہو گئیں اور پھر سب نے ہنسنا شروع کر دیا۔ یہ اس وقت اللہ پاک کی کوئی خاص رحمت تھی کہ اللہ نے ہمارے دلوں کو تھام لیا۔ ہم سب ہنس رہی تھیں کہ دوسرے کمرے سے ایک بہن نے آکر پوچھا کہ "کیا ہوا؟ آپ لوگ کیوں ہنس رہی ہیں"؟ ہم نے بتایا تو کہنے لگی کہ "یہ رونے کا مقام ہے یا ہنسنے کا؟" ہم نے کہا کہ "جب اللہ ان بمباریوں کے بیچ بھی ہمیں ہنسا رہے ہیں تو ہم کیوں نہ ہنسیں!"

یہ اور بات کہ جب میرے شوہر نے مجھے یہ بات بتائی تھی کہ اب آپ سب کو یہاں سے جانا ہو گا تو میرے آنسو تھمنے میں نہیں آرہے تھے۔ وہ بس خاموش بیٹھے مجھے دیکھتے رہے۔ پھر میں نے عشاء کی نماز اور تراویح پڑھی اور جب دعا مانگنے بیٹھی تو پھر سے آنسو رواں ہو گئے۔ جب کسی طرح میرے آنسو نہ تھمے تو انہوں نے کہا کہ "اب بس بھی کریں"۔ میں بمشکل اپنے اوپر قابو پاتے ہوئے ان کے پاس آبیٹھی تو کہنے لگے کہ "سقوط کے بعد شیخ اسامہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کسی سمت جا رہے تھے تو راستے میں ایک جگہ رک گئے۔ یہاں سے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رہبر اور چند ساتھیوں کے ہمراہ دیگر ساتھیوں سے الگ ہو جانا تھا۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بیٹے بھی ساتھ موجود تھے۔ جدائی کے وقت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنے بیٹے کو ایک طرف لے گئے۔ باپ بیٹے کی یہ ملاقات بہت جذباتی تھی۔ نہ باپ کو معلوم تھا کہ وہ پھر کبھی اپنے بیٹے کو دیکھ سکے گا اور نہ بیٹے کو معلوم تھا کہ وہ پھر کبھی اپنے باپ کو دیکھ سکے گا۔ پھر شیخ نے اپنے بیٹے کو مخاطب کیا اور کہا تو فقط اتنا کہ "مجھ سے وعدہ کرو! جہاد کبھی نہیں چھوڑو گے"۔ اُنہوں نے بس اتنا کہا اور خاموش ہو گئے۔ میں ان کی نصیحت سمجھ گئی اور میرے تھمے ہوئے آنسو پھر سے رواں ہو گئے۔

صبح سحری کے بعد جب تمام خواتین باری باری فجر کی نماز کے لیے وضو کر کے آگئیں تو میری اور ان کی باری آئی۔ ہم دونوں ابھی خندق کی دو تین سیڑھیاں ہی چڑھ پائے تھے کہ جیٹ کی آوازیں آنے لگیں۔ ہم فوراً واپس پلٹے اور سیڑھیوں کے دہانے پر ہی کھڑے ہو گئے۔ اس وقت میں نے ان سے کہا کہ "اللہ تعالیٰ ہمیں ہر آزمائش سے بچائیں،

خصوصاً قید، گرفتاری، محتاجی اور معذوری سے بچائیں اور مکمل شہادت عطا فرمائیں"۔ وہ یہ سن کر ہنسے اور کہنے لگے کہ "بیگم صاحبہ (بطور استہزاء)! شہادت تو مکمل ہی ہوتی ہے، آدھی پونی کب ہوتی ہے؟" میں نے ذرا جھنجھلا کر وضاحت کی کہ "میرا مطلب ہے کہ جسم کا کوئی عُضُو شہید نہ ہو بلکہ ایک ہی مرتبہ مکمل شہادت ملے"۔ اس پر وہ بہت ہنسے اور کہنے لگے کہ "بیگم صاحبہ! عُضُو نہیں ہوتا بلکہ عُضْو ہوتا ہے"۔ میں اور جھنجھلائی اور کہا کہ "میری دعا نہیں سن رہے، اس وقت بھی میری تلفظ کی غلطیاں ٹھیک کر رہے ہیں"۔ بعد میں ثابت یہی ہوا کہ کسی بھی وقت کی گئی دعا ضائع نہیں ہوتی اور انسان کو دعا مانگنے میں کبھی بخل نہیں کرنا چاہیے۔

شاول میں ہم جس گھر میں موجود تھے وہاں شمال کی سمت سے مجاہدین کے گھرانے آ آ کر جمع ہوتے اور پھر اگلی منزلوں کی جانب رواں ہو جاتے۔ ہم بھی اپنی باری کے منتظر تھے۔ میرا یہ خیال تھا کہ جب تک میری باری آئے گی میرے شوہر میرے ساتھ موجود ہوں گے۔ مگر میرا یہ خیال جلد ہی غلط ثابت ہونے والا تھا۔ ایک روز دن کے وقت ہی ہم دونوں خندق میں چلے گئے کہ اوپر کوئی کمرہ فارغ نہ تھا۔ وہ کہنے لگے کہ "میں کچھ دیر سو لوں"۔ میں نے کہا کہ "مت سوئیں، آج مجھ سے باتیں کر لیں" تو میری بات مان گئے۔ عموماً ان کا مزاج بہت زیادہ باتیں کرنے والا نہیں تھا۔ شادی کے شروع دنوں میں تو اس بات پر میں بہت جھگڑتی تھی کہ ساتھیوں کے ساتھ تو اتنا بولتے ہیں اور میرے ساتھ نہیں، تو کہتے کہ "ساتھی تو کسی موضوع پر بات کر رہے ہوتے ہیں، آپ بھی دین، جہاد یا حالاتِ حاضرہ وغیرہ سے متعلق کوئی موضوع کھول لیں پھر اس پر میں گھنٹوں بول لوں گا، مگر محض 'باتیں' کرنی مجھے نہیں آتیں"۔ پھر ہماری باتیں جہاد کے سوا ہونی بھی کیا تھیں۔ سو خندق میں بیٹھے میں نے ان کے سامنے اپنی فکری الجھنیں رکھیں، خبروں وغیرہ میں جو مختلف باتیں پڑھ اور سن رکھی تھیں ان کی وضاحت چاہی اور وہ مجھے تفصیلاً سب کچھ بتاتے رہے۔

داعش کے معاملے پر میرا دل بہت دکھا ہوا تھا۔ کئی مجاہد بھائی اس گمراہ فکر کے ساتھ جڑتے جا رہے تھے۔ میں نے اپنے دل کا غم ان کے سامنے رکھا اور دریافت کیا کہ "ایسا کیوں اور کیسے ہو جاتا ہے کہ جو شخص اللہ کے لیے اپنے گھر سے نکلا ہو وہ گمراہ ہو جائے؟" وہ کہنے لگے کہ "جو شخص بھی صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے گھر سے نکلتا ہے اور پھر خود کو رب کی رضا کے سپرد کر دیتا ہے، اللہ رب العزت اسے کبھی گمراہ نہیں ہونے دیتا کہ اللہ کبھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ مگر جب انسان کے دل میں کوئی کھوٹ ہوتا ہے یا اس کے ظاہر و باطن میں، اس کے اخلاق و اعمال میں شریعت سے ہٹی ہوئی کوئی صفت ہوتی ہے (بعض مرتبہ انسان اس سے واقف ہوتا ہے اور بعض مرتبہ ناواقف) تو اللہ اسے اپنی اصلاح کے

مواقع دیتے ہیں۔ جو سلیم الفطرت ہوتے ہیں وہ جلد یا بدیر اپنی اصلاح کر لیتے ہیں مگر کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی اس برائی کو پنپنے دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیے اصلاح کے مواقع سے فائدہ نہیں اٹھاتے، پھر ان کے اندر کی یہ خرابی بڑھتی پھیلتی ہے اور بالآخر ظاہر ہو کر رہتی ہے، یہی وہ لوگ ہیں جو گمراہ ہو جاتے ہیں"۔ چند اور اسی طرح کی باتیں پوچھنے کے بعد میں نے پوچھا کہ "آپ تو اب تک گویا میری انگلی پکڑ کر مجھے چلاتے رہے ہیں، ایک ایک بات سمجھاتے رہے ہیں، اگر آپ شہید ہو گئے تو صبح و شام بڑھتے فتنوں کے اس دور میں کون مجھے حق و باطل کا فرق سمجھائے گا؟ کون میرے سوالات کے جواب دے گا؟" انہوں نے کہا: "اللہ ہے نا۔ وہی سب کو ہدایت دینے والا ہے، اسی سے ہدایت مانگتی رہیے گا"۔ میں نے کہا کہ "اللہ تعالیٰ کی سنت بھی تو انسان کی اصلاح کسی ذریعے سے کرنے کی ہے (حالانکہ وہ مسبب الاسباب ہے اور کسی سبب کا محتاج نہیں ہے) اور میری اصلاح کے لیے اللہ نے آپ کو ذریعہ بنایا تھا!" تو کہنے لگے کہ "بہت سی باتیں تو میں ساتھ ساتھ آپ کو سمجھاتا رہا ہوں، ان کو یاد رکھیے گا اور مشائخ کے بیانات وغیرہ سے رہنمائی حاصل کرتی رہیے گا کہ ان شاء اللہ وہ ہدایت پر ہیں اور قرآن سے جڑی رہیے گا"۔ اور پھر اکثر کہی جانے والی اپنی بات دہرائی کہ "میرے بعد دوسری شادی کر لیجیے گا۔ کسی مجاہد کی دوسری، تیسری بیوی بن کر رہنا گوارا کر لیجیے گا مگر تنہا نہ رہیے گا"۔ پھر آخر میں میرے پوچھنے پر کہنے لگے کہ "اگر فتنوں سے بچنے کی کوئی جگہ نہ پائیں تو یمن کی جانب ہجرت کر جائیں، کہ یمن میں خیر ہے" (بمطابق حدیث)۔ یہیں ہماری اس دن کی گفتگو اختتام پذیر ہوئی۔

اور پھر... میری روانگی سے قبل ان کی روانگی کا حکم آ گیا۔ ہم صرف چھ دن ہی اکٹھے گزار پائے تھے۔ اور ان چھ دنوں میں وہ بار بار یہی کہتے رہے کہ میری فلاں بات یاد رکھیں، "(نجانے) پھر رہوں نہ رہوں"، یہ کام اچھی طرح سمجھ لیں، "پھر رہوں نہ رہوں"، یہ چیزیں اپنے پاس محفوظ کر لیں، "پھر رہوں نہ رہوں"... اور یہی کہتے کہتے روانگی کا وقت آ گیا۔ انہوں نے سفر کی تیاری کی، سامان سمیٹا، جعبہ پہنا اور کلاشن کندھے سے لٹکا کر میری جانب دیکھا۔ میں انہی کو دیکھ رہی تھی، مسکرائے اور کہنے لگے، "مجھے اچھی طرح دیکھ لیں، پھر رہوں نہ رہوں" ... اور پھر وہ چلے گئے۔

چند روز کے بعد میں بھی وانا چلی گئی۔ وہاں انصار کے گھر کے ایک کمرے میں میرے ساتھ ایک اور بہن بھی تھیں۔ ایک روز ہمیں خبر ملی کہ شمال میں ڈرون حملہ ہوا ہے اور دو ذمے دار اور چار ساتھی شہید ہو گئے ہیں۔ خبر لانے والے بھائی نے جب پردے کے پیچھے سے یہ خبر دی تو ہم دونوں خواتین نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ وہ بھائی تو یہ بتا کر اور یہ کہہ کر چلے گئے کہ مزید تفصیلات ملیں گی تو بتاؤں گا مگر ہم دونوں خاموش ہو گئیں۔ تھوڑی دیر بعد ہم میں سے ایک نے دوسری

سے پوچھا کہ "دل کا کیا حال ہے؟" (کیونکہ ہمارا گمان تھا کہ ہم دونوں کے شوہر حضرات شہید ہوئے ہیں) دوسری نے کہا کہ "سکون ہے۔ اگر کچھ نہیں ہوا تو ویسے ہی سکون ہے اور اگر کچھ ہوا ہے تو اللہ کی جانب سے (حسبِ وعدہ) سکون ہے"۔ چند روز وہاں ٹھہرنے کے بعد میں رمضان کے آخری عشرے میں نیچے (یعنی پاکستان) چلی گئی۔

نیچے جانے کے بعد بھی میرا اپنے شوہر کے ساتھ خط و کتابت کا رابطہ بحال رہا۔ ماہ اکتوبر میں، عید الاضحیٰ سے دو دن قبل مجھے 'ان' کی جانب سے آڈیو پیغام موصول ہوا جس میں اپنی خیریت سے آگاہ کرنے کے علاوہ میری درخواست پر کچھ نصیحتیں بھی کی تھیں۔ جن میں سے چیدہ چیدہ ذیل میں تحریر کیے دیتی ہوں:

"(آزمائش کے اس کٹھن وقت میں) صبر اور اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن رکھنا۔ ہر ایک اپنے اعمال کی ٹینشن لے، اللہ سے اپنے تعلق کا جائزہ لے، اپنی استقامت، جہاد سے اپنی وابستگی، اپنے ملک میں اور پورے عالم میں شریعت نافذ کرنے کا جذبہ، اپنی قوم کو ہدایت کی طرف لانے کا جذبہ، اس کے لیے قربانی دینے کا جذبہ اگر ماند نہیں پڑا تو وہ کامیاب ہے اور فرد کی کامیابی ہی اصل کامیابی ہے"۔

...

"جہاں رہیں وہاں بڑے کے طور پر نہیں بلکہ چھوٹا بن کے ارد گرد نصیحت، خیر کی بات پھیلانا اور برائیوں سے روکنا، یہ کام جاری رکھیں۔ اس میں کچھ نہ کچھ تکلیف آتی ہے، لوگوں سے باتیں بھی سننی پڑتی ہیں لیکن اس وجہ سے سب کچھ بند نہیں کیا جا سکتا۔ بہر حال اللہ نے یہ ایک ذمہ داری لگائی ہے"۔

...

"میں شہید ہو جاؤں تو میری رائے میں دوسری شادی کر لیں۔ زندگی کے کیا پتا کتنے مراحل باقی ہوں۔ زندگی کو جاری رکھیں اور اللہ سے واخلف لي خيراً منه مانگیں۔ اللہ کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے۔ جنت کی طرف کا سفر ہر ایک کا بہر حال اکیلے کا ہی سفر ہے ﴿وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ القيامَةِ فرداً﴾ فرد نے ہی اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ جذبات وغیرہ اپنی جگہ لیکن سب سے پہلے اس بات کا جائزہ لیں کہ میرے دین کے لیے کیا بہتر ہے؟ اور میری آخرت کے لیے کیا بہتر ہے؟ اور کیا آخرت کے مراحل کسی دیندار، کسی مجاہد، کسی نیک

آدمی کے بغیر تنہا گزار سکتی ہے ایک عورت؟ اگر نہیں گزار سکتی تو یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اللہ نے یہ دروازہ عورت کے لیے کھولا ہے اور اس رحمت سے وہ فائدہ اٹھائے"۔

...

"(آزمائش کے) اس مرحلے پہ کمزوری کی باتیں کوئی بھی کرے تو خود بھی اس کا اثر قبول نہ کریں اور دوسرے کو بھی سمجھائیں۔ یہ ساری 'عقل' کی باتیں اس وقت کیوں نہ سمجھ میں آئیں جب کفر کے سر پہ، پاکستانی نظام کے سر پہ دھڑا دھڑ ہتھوڑے برس رہے تھے؟ اس وقت میں اور اب میں اس کے سوا کیا فرق ہے کہ اب ہم کچھ کمزور ہو گئے اور ہمیں کچھ ضرب لگ گئی! تو یہ تو مومن کو زیب نہیں دیتا کہ وہ صرف اس لیے اپنے سوچ سمجھے موقف سے پیچھے ہٹ جائے اور جس جنگ کو اللہ کی جانب سے واجب سمجھ کے اختیار کیا تھا اس کے بارے میں متردد ہو جائے، صرف اس وجہ سے کہ حالات مشکل ہو گئے ہیں! یہ تو کوئی بات نہ ہوئی نا۔ یہ تو اللہ کے ساتھ بھی ہمارا غیرت اور حیا کا ایک تعلق ہے، یہ تو زیب ہی نہیں دیتا ہمیں۔ اللہ ہمیں ثبات دیں اس راہ پہ۔ یہ عقل کی باتیں اگر آنی تھیں تو پہلے آنی چاہیے تھیں، اگر اس جہاد میں کچھ مسائل تھے تو ان پر پہلے نقد اور بات ہونی چاہیے تھی جب پہلے قوت کے وقت میں تھے، اب ضعف کے وقت میں یہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔ اب ضعف کے وقت میں کھڑے رہو، ڈٹے رہو، اور اللہ کی مدد اور فتح کا انتظار کرو۔ ان شاء اللہ، اللہ کی مدد بہت قریب ہے"۔

مزید دو ماہ گزر گئے اور مجھے ان کی طرف سے کوئی خیر خبر موصول نہیں ہوئی۔ میں دعائیں کرتی اور انتظار بھی۔ پھر دسمبر میں 'ان' کی شہادت کی مبہم سی خبر اخبارات میں چھپی۔ الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے ثبات دیا۔ فوری طور پر میری منتقلی کا فیصلہ ہوا اور میں عارضی طور پر ایک انصار کے یہاں منتقل ہو گئی، جہاں مجھے ان کی خیریت اور اخباری خبر کے غلط ہونے کی اطلاع ملی، نیز ان کی جانب سے کچھ عرصے قبل لکھا ہوا ایک خط بھی موصول ہوا۔ بعد ازاں میں ایک اور انصار کی طرف منتقل ہو گئی۔

نئی جگہ پر میں بالکل ہی تنہا تھی۔ ایک بڑے سے گھر کی اوپر والی منزل بالکل خالی تھی اور نیچے گھر والے موجود تھے۔ میں سارا دن ساری رات اوپر ہی گزارتی۔ البتہ رات میں میری انصار مجھے نیچے بلا لیتیں اور عموماً میں رات کا کھانا ان کے

ساتھ کھا کر واپس اوپر آ جاتی۔ اس تنہائی میں اللہ ہی نے مجھے تھامے رکھا۔ میرے شوہر مجھے تفسیر پڑھنے کی نصیحت کیا کرتے تھے مگر مجھ سے تفاسیر کی طوالت دیکھ کر پڑھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ پھر ایک روز انہوں نے کہا کہ ”تفسیر السعدی پڑھیں۔ یہ نسبتاً مختصر بھی ہے اور ان شاء اللہ انفرادی اصلاح کے لیے میں نے اسے بہت مفید پایا ہے۔ اس کا اصل فائدہ تو عربی تفسیر پڑھنے میں ہی ہے مگر آپ ترجمہ پڑھ لیں (انہوں نے خود بھی کچھ عرصہ قبل ہی اس تفسیر کا مطالعہ مکمل کیا تھا)“۔ میں اس نصیحت پر ابھی تک کماحقہ عمل نہ کر پائی تھی۔ یہاں تنہائی میں میں نے اس تفسیر کا مطالعہ شروع کیا اور اللہ پاک نے میرا دل اس تفسیر اور اس میں بیان کردہ نکات کے لیے کھول دیا۔ میں نے خود بھی اسے بہت مفید پایا۔ تنہائی اور پریشانی کے اس کٹھن وقت میں اللہ پاک نے سورۃ آل عمران کے معانی سمجھنے کی توفیق دی۔ غزوۂ احد اور اس پر رب تعالیٰ کا مفصل تبصرہ اور اس سے حاصل شدہ اسباق۔ اللہ ان اسباق کے ذریعے میری ہمت حوصلہ بڑھاتے رہے، پڑھنے کی توفیق دیتے رہے اور سمجھنے کے لیے دل و ذہن کھولتے رہے۔

میں مکمل طور پر ہر طرف سے رابطے سے کٹی ہوئی تھی۔ خبروں کے ذریعے دنیا کے حالات کی خیر خبر تو مل جاتی مگر اپنے شوہر اور گھر والوں کی طرف سے میں بالکل بے خبر تھی۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی شہادت کی خبر کے غلط ہونے کا بھی مجھے یقین نہ تھا۔

انہی دنوں میں نے ایک خواب دیکھا اور خواب میں شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ کو دیکھا۔ بظاہر اس خواب میں کوئی آواز، کوئی بات اور شہادت بارے کوئی اشارہ نہ تھا (یا کم از کم میں نہ سمجھ پائی تھی) مگر خواب کے اندر ہی مجھے محسوس ہوا کہ یہ میرے شوہر کی شہادت کے بارے میں خواب ہے۔ اس سے قبل اکتوبر میں 'ان' کی طرف سے آڈیو پیغام ملنے کے بعد بھی میں نے ایک خواب دیکھا تھا اور اس میں ان کے شہید بھائی کو دیکھا کہ وہ انہیں لینے آیا ہے۔ اس وقت بھی خواب کے اندر ہی مجھے محسوس ہوا کہ یہ میرے شوہر کی شہادت کا خواب ہے۔ البتہ ان دونوں خوابوں کے بعد بھی اللہ پاک نے میرا دل تھامے رکھا اور مجھے پر سکون رکھا۔

یہ مارچ کی اکیس تاریخ تھی۔ رات کو میرے سسر صاحب مجھ سے ملنے آئے۔ مجھے لگا کہ وہ کسی خاص مقصد سے آئے ہیں۔ میں نے سلام دعا کے فوراً بعد پوچھا کہ ”ابو جی! خیریت ہے؟“ انہوں نے اثبات میں جواب دیا اور مجھ سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔ میں نے پھر پوچھا، ”ابو جی! سب خیریت ہے نا!“ تو پھر سے اثبات میں جواب دے کر دوبارہ باتیں کرنے لگے اور جب میں نے جلد ہی تیسری مرتبہ اپنا سوال دہرایا تو وہ بولے ”بیٹا! سلمان شہید ہو گیا ہے“۔

میں نے إنا لله وإنا إليه راجعون کہااور پوچھا: "کب؟" انہوں نے کہا: "جنوری میں"۔ میں نے پوچھا"کنفرم ہے؟" "تو کہنے لگے کہ "ہاں! یہ خطوط آئے ہیں"۔ خطوط کھولے تو چند تعزیتی خطوط کے ساتھ 'ان' کی وصیت بھی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمت دی اور میں نے وہ خطوط اور وصیت حرفاً حرفاً پڑھ کر انہیں سنائے۔

رات کو کئی مرتبہ وہ وصیت پڑھنے کے بعد میں سوگئی۔ مگر کچھ ہی دیر کے بعد آنکھ کھل گئی۔ دل اس قدر بے قرار تھا کہ مجھے سمجھ نہ آرہی تھی کہ اب یہ کبھی قرار پا بھی سکے گا یا نہیں۔ مجھے ڈاکٹر ارشد وحید رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ یاد آنے لگیں، جب ڈاکٹر صاحب کی شہادت کے بعد میں ان سے ملی تو وہ کہنے لگیں کہ "ایسا لگتا ہے کہ کسی نے باقاعدہ جگر کا ٹکڑا نکال لیا ہے، اور پھر میں اس تکلیف کو اپنے رب کے سامنے رکھ کر کہتی ہوں کہ اللہ! مجھے اس تکلیف کے ایک ایک لمحے پر اجر دینا"۔ میرے دل کی تکلیف اتنی شدید تھی کہ میں اسے جسمانی طور پر محسوس کررہی تھی، گویا میرا دل باقاعدہ زخمی ہو گیا ہو۔ اس شدید کرب کی حالت میں میرے رب کے سوا کوئی سہارا مجھے تھام نہ سکتا تھا، سو میں نے بھی رات کی تنہائیوں میں اپنے رب ہی کو پکارا۔

قربان جایئے سوہنے رب کی عنایتوں اور محبتوں پہ کہ وہ اپنے بندے کو خود ہی نیکی کی توفیق دیتا ہے، پھر جب بندہ لڑکھڑاتے قدموں اپنے رب کی طرف بڑھنے لگتا ہے تو وہ پیارا رب بڑھ کر، خود آگے بڑھ کر اسے تھام لیتا ہے، سہارا دیتا ہے، دلاسا دیتا ہے، دلجوئی کرتا ہے، ہمت پست نہیں ہونے دیتا، حوصلوں کو قوی رکھتا ہے، آسانیاں دیتا چلاجاتا ہے، حتیٰ کہ بندے کے قدم راہِ حق پر جم جاتے ہیں۔ پھر وہ رب اسے آزماتا ہے، آزمائشوں کی بھٹی سے گزار کر کندن بناتا ہے۔ اور اس رب کی سب سے پیاری بات یہ ہے کہ آزمائش ڈال کر ساتھ ہی ایسی سکینت بھی عطا کرتا ہے کہ آزمائش کی حدت و شدت محسوس ہی نہیں ہوتی اور بندہ اپنے رب کی انگلی تھامے سہولت سے اسے سہہ لیتا ہے۔ سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم۔

شہادت کی خبر آئے تیسرا دن تھا۔ بظاہر میں پرسکون تھی مگر میرا دل ہنوز درد سے پھٹا جارہا تھا۔ زبان پر مستقل دعائیں اور اذکار جاری تھے۔ میں کپڑے استری کرتے ہوئے لامتناہی سوچوں میں گم تھی۔ ہر سوچ اس سوچ پر آکر رک جاتی تھی کہ کیا میرے شوہر واقعی اب اس دنیا میں نہیں ہیں؟ اور اس سے آگے مجھ سے کچھ سوچا نہ جاتا تھا۔ اسی وقت اللہ پاک کی رحمت متوجہ ہوئی اور میں، جو مختلف دعاؤں کا ورد کرتے کرتے اب حسبنا اللہ ونعم الوکیل کا ورد کررہی تھی، ٹھٹھک گئی۔ یہ میں اپنی زبان سے کیا کہہ رہی ہوں؟ کس کو پکار رہی ہوں؟ جب میں اپنی زبان سے کہہ رہی ہوں کہ

حسبنا الله "میرے لیے اللہ کافی ہے" تو پھر مجھے کسی فکر کی کیا ضرورت ہے؟ پھر میرا دل کیوں بے قرار ہے؟ میرا رب تو وہ ہے جو زندہ و موجود ہے، ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اور پھر وہ تمام آیات مجھے یاد آتی چلی گئیں جن کی یاددہانی رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تمام اصحاب کو کروائی تھی۔ وما محمد إلّا رسول... اور پھر یہ بھی کہ شہید تو زندہ ہیں، اپنے رب کی جانب سے رزق پا رہے ہیں، اپنے رب کے فضل پر خوشیاں منا رہے ہیں اور انہیں کوئی خوف اور غم نہیں ہے۔ اور میرے رب کی بے پایاں رحمت نے میرے بے قرار دل کو تھام لیا اور الحمدللہ اس دن کے بعد پھر کبھی دل بے قرار نہیں ہوا۔

میرے دل میں یہ خیال بار بار آتا تھا کہ نجانے انہوں نے اپنی اس فانی زندگی کے آخری دن کہاں اور کس حال میں گزارے ہوں گے؟ کن کیفیات سے گزرے ہوں گے؟ کس کس کو یاد کرتے ہوں گے؟ اور بہت سی باتیں دل و ذہن میں گردش کرتی رہتی تھیں۔ تعزیت و مبارکباد کے لیے آنے والی خواتین میں سے ایک خاتون نے پریقین لہجے میں مجھ سے کہا کہ "اس نے ضرور تمہارے نام خط لکھ کر رکھا ہوگا"۔ میں سن کر ہنسی اور سوچا کہ جہاں سے ان کی شہادت کی خبر ہی تقریباً سوا دو ماہ کا عرصہ گزرنے کے بعد مل رہی ہے، وہاں اگر کچھ لکھ کر رکھا بھی ہوگا تو وہ کہاں ملے گا! اور اگر کچھ ملنا ہوتا تو وصیت کے ساتھ ہی مل جاتا۔ مگر ان خاتون (اللہ انہیں خوش رکھے) کی بات حرف بہ حرف درست ثابت ہوئی۔ چند روز ہی گزرے تھے کہ میرے شوہر کی جانب سے میرے نام لکھا گیا آخری خط مجھے موصول ہوا۔ فللّٰہ الحمد۔ یہ غالباً ان کی آخری تحریر تھی جو شہادت سے تقریباً پانچ یا سات روز قبل لکھی گئی تھی۔ ان کی عادت کے برخلاف یہ خط مفصل تھا۔ وہ کبھی بھی کہیں سفر پر جاتے تو مجھے بہت ہی مختصر اور بہت سرکاری قسم کا خط لکھتے تھے جس میں صرف کام کی باتوں کا تذکرہ ہوتا۔ مگر یہ خط ایسا نہ تھا۔ اس میں میرے ان تمام ان کہے سوالوں کا جواب تھا جو میرے ذہن میں کلبلاتے رہے تھے۔ اپنی زندگی کے آخری دوڈھائی ماہ کی روداد، ان دنوں میں کیے گئے تحقیقی و تحریری کام، انہی میں سے کچھ ایام میں کاٹی تنہائی، بھوک اور سردی کی تکلیف، اس میں سیکھے گئے اسباق اور جدائی میں گزرے ایام کا تذکرہ تھا، نیز مجاہدین کے لیے صبر و تقویٰ کی نصیحت تھی اور اس خط میں مجھ سے آخری بات یہی کہی تھی کہ "اللہ سے جڑو! وہی بہترین مولا ہے"۔

ان کی شہادت کے کچھ عرصہ بعد ایک بہن ملنے کے لیے آئیں اور اپنی بہن کا تذکرہ کیا کہ اس نے خواب میں دیکھا کہ:

" میدانِ جنگ ہے اور اس کے بیچوں بیچ ایک بہت ہی خوبصورت محل ہے۔ اور اس میدانِ جنگ میں وہ محل ہی وہ واحد جگہ ہے جہاں امن ہے۔ وہ محل بے حد حسین و خوبصورت سامان سے آراستہ ہے۔ اس کے ایک کمرے میں ایک میز سجی ہے جس پر انواع و اقسام کے رنگارنگ کھانے موجود ہیں۔ وہ محل، اس کا سازو سامان و سجاوٹ اور کھانے پینے کی تمام اشیاء ایسی بہترین ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کسی کان نے ان کا تذکرہ سنا اور نہ ہی کسی نے ان کا مزہ چکھا۔ اس میز کے پاس ہی میرے شوہر موجود ہیں اور میز پر سجے کھانوں میں سے کھا رہے ہیں اور کھڑکی سے باہر جھانک کر مسکرا رہے ہیں"۔

میں تو اس خواب سے یہی سمجھ پائی کہ ان شاء اللہ پاک نے اپنے بہترین وعدے اپنے اس بندے کے حق میں پورے کیے ہیں۔ میدانِ جنگ کے بیچوں بیچ یہ محل دراصل 'ان' کی قبر ہے، جو ان شاء اللہ امن کا ٹھکانہ ہے، جنت کے باغوں میں سے ایک باغ (بمطابق حدیث) ان شاء اللہ۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کہ شہادت قبول فرمائے، ان کو جنت الفردوس میں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کا ساتھ نصیب فرمائے، ان کی شفاعت سے محروم نہ فرمائے اور اپنے تمام بہترین وعدے ان کے، ان کے والدین اور ہم سب کے حق میں پورے فرمائے، اور بے شک اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدوں کا پورا کرنے والا اور کوئی نہیں۔

وہ سفر جو 2006ء میں شروع ہوا تھا وہ ابھی تمام نہیں ہوا۔ سفر وہی ہے البتہ ہم سفر بدل گیا۔ عدت گزرنے کے بعد اللہ پاک نے اپنے ایک اور مجاہد بندے کا رشتہ بھیجا۔ اللہ کے کرم سے میں نے ہجرت کی راہوں کی جانب پھر سے رختِ سفر باندھا۔ اب کہ میری ہجرت کی منزل افغانستان ٹھہری۔ نکاح میں شریک تمام مجاہدین اور مہاجرات ہی میرا خاندان ٹھہرے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مجھ کمزور بندی کو آزمائشوں سے بچائے، آخری سانس تک ایمان سلامت رکھے، راہ حق پر، ایمان پر، جہاد پر استقامت عطا فرمائے اور اپنے رستے میں مقبول شہادت سے محروم نہ فرمائے، آمین۔

ربنا تقبّل منّا إنّك أنت السميع العليم وتب علينا إنّك أنت التواب الرحيم

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد وعلى آله وصحبه أجمعين۔